اصولِ فہم قرآن

(اہلِ عرب اور اصل متن کی روشنی میں)

"Quranic Hermeneutics: Returning to the Original Arabic Paradigm"

ترتیب و تدوین:

سید جہانزیب عابدی

بسم الله الرحمٰن الرحيم۔

اللهم صل علىٰ محمد وآل محمد وعجل فرجهم اجمعين

فہرست مطالب

قرآن فہمی پر استاد کی رائے

آیت اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی صدر الافاضل کا منہجِ فہمِ قرآن ایک ایسی جامع اور متوازن فکری بنیاد ہے جو قرآن کو نہ صرف ایک آسمانی کتاب بلکہ ایک زندہ ہدایت نامہ سمجھ کر اس کے ساتھ عقلی، قلبی اور عملی نسبت قائم کرتی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر ہمیشہ یہ رہا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ قاری اپنے ذہن کو مسبق تصورات، فرقہ وارانہ تعصبات، موروثی آراء، اور اجتہادی سانچوں سے آزاد کرے۔ قرآن اہل زبان کی کتاب ہے، لہٰذا اس کی فہم کی بنیاد وہی اصول ہونے چاہئیں جو نزولِ قرآن کے عرب کے اہلِ فصاحت نے استعمال کیے، نہ کہ بعد کی صدیوں میں برصغیر یا دیگر خطوں میں بنائے گئے مصنوعی اور پیچیدہ علمی مباحث۔

ان کے نزدیک قرآن فہمی کا آغاز زبان اور معنی کی طرف کھلنے سے ہوتا ہے۔ قرآن اپنے قاری سے گفتگو کرتا ہے اور یہ گفتگو اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب قاری لغتِ عرب، اسالیبِ عرب اور فصاحت و بلاغت کے قواعد کو اس روح کے ساتھ سمجھے جس روح کے ساتھ قرآن نازل ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے معانی کی تشکیل میں صرف لغوی وزن ہی اہم نہیں بلکہ سیاق، خطاب کا مزاج، جملے کی روانی، اور نزولی ماحول کا شعور بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ جامد نہیں، ان کے اندر معنی کی رَو بہتی ہے، اور وہی شخص اس رَو کو محسوس کر سکتا ہے جو قرآن کو زندہ متن کی حیثیت سے پڑھتا ہے۔

ان کے منہج میں عقل کی حیثیت رفیع ترین مقام رکھتی ہے۔ وہ اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ قرآن عقل کو معطل کرنے نہیں آیا، بلکہ اسی عقل کو فعال کرنے، اس کی صلاحیتوں کو جگانے اور اسے ہدایت کا چراغ بنانے آیا ہے۔ قرآن کی فہم کا ایک رکن عقل ہے اور دوسرا نورِ وحی۔ جب عقل وحی کے ساتھ چلتی ہے تو نہ افراط ہوتا ہے نہ تفریط، نہ خشک الفاظ میں کھو جانا ہوتا ہے اور نہ

جذباتی تاویلات کی گمراہی۔ آیت اللہ نقوی کے نزدیک قرآن کا طالب علم جذباتی، ملائی، یا فقہی جامدیت کے زیر اثر نہیں رہ سکتا؛ اسے ایک منصف مزاج، آزاد، اور حق کی تلاش میں ثابت قدم ذہن کے ساتھ قرآن کی طرف جانا ہوتا ہے۔

ان کے منہج میں دوسرا بنیادی ستون قرآن کا قرآن سے فہم ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ قرآن باہم گتھوں کی طرح جڑا ہوا ہے۔ ایک آیت دوسرے مضمون کی تشریح کرتی ہے، ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل ہے، ایک جگہ سوال اٹھایا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ قرآن کو سمجھنے کا اصل راستہ اسی باہمی ربط کو دیکھنا ہے۔ بعد کی تفسیری روایات، اقوال یا فقہی آراء اگر قرآن کے سیاق اور نظم کے مخالف ہوں تو ان کی کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کے اپنے بیان کو سمجھا جائے، اور پھر روایت اور تفسیر کو اسی کی روشنی میں پرکھا جائے۔

آیت اللہ نقوی کے منہج کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ قرآن کو صرف فکری یا علمی متن نہ سمجھا جائے بلکہ اسے اخلاق، روحانیت اور عمل کی دنیا میں نافذ کیا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس تفسیر سے کردار نہ بنے، جس تدبر سے اخلاق نہ نکھرے، اور جس غور و فکر سے معاشرہ منور نہ ہو، وہ تدبر نہیں بلکہ لفظوں سے کھیل ہے۔ قرآن اترتا ہی اسی لیے تھا کہ انسان بدلیں، دل نرم ہوں، عقلیں بیدار ہوں، اور ظلم کے اندھیرے ختم ہوں۔ لہٰذا قرآن کی فہم اسی وقت حقیقی بنتی ہے جب انسان اپنی روزمرہ زندگی میں قرآن کے اصولوں کو جگہ دے، اپنے فیصلے قرآن کی ہدایات کے مطابق کرے اور اپنی معاشرت کو اس کے اخلاقی دستور پر قائم کرے۔

ان کے انداز میں ایک معتدل مگر بے خوف جرأت بھی پائی جاتی ہے۔ وہ قرآن کو فرقہ وارانہ خانوں میں تقسیم کرنے کے سخت مخالف تھے۔ ان کے نزدیک قرآن نہ شیعہ ہے نہ سنی، نہ کسی مدرسے کا پابند ہے نہ کسی فقہی مکتب کا۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور خدا کے کلام تک رسائی کا واحد

راستہ تعصب کے پردوں کو ہٹانا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے طلاب سے کہتے کہ اگر تم قرآن کو نظریاتی عینک سے دیکھو گے تو قرآن تمہیں وہی دکھائے گا جو تم دیکھنا چاہتے ہو، مگر اگر تم اسے ایک آزاد دل اور کھلے ذہن کے ساتھ پڑھو گے تو قرآن تمہیں وہ دکھائے گا جو خدا دکھانا چاہتا ہے۔ یہی آزاد فکری مزاج ان کے قرآنی اصولوں کی روح تھا۔

آیت اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی کے نزدیک قرآن فہمی کا ایک اہم اصول اخلاقی طہارت بھی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ قرآن کے مفاہیم دل کی روشنی سے کھلتے ہیں، اور دل اس وقت روشن ہوتا ہے جب انسان حسد، کینہ، تکبر، اور بددیانتی جیسے اخلاقی امراض سے دور رہتا ہے۔ وہ اس حقیقت کی دلیل قرآن کی متعدد آیات سے دیتے کہ خدا ان لوگوں کو ہدایت عطا کرتا ہے جو اخلاص کے ساتھ اس کی طرف آتے ہیں، نہ کہ ان کو جو صرف علم کے غرور یا بحث و مباحثہ کے شوق میں قرآن کھولتے ہیں۔

آخر میں ان کا منہج ایک جامع عملی طریقہ پر مشتمل ہے جس میں آیت کی قراءت، لغت، سیاق، نظم، عقل، روایت، تاریخ اور روحانی تدبر سب شامل ہیں، مگر ہر چیز قرآن کے تابع ہے، نہ کہ قرآن کو کسی چیز کا تابع بنایا جائے۔ یہی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی کہ وہ قرآن کو اصل مانتے تھے اور باقی ہر علم کو اس کے تابع رکھتے تھے۔

آیت اللہ سید حسین مرتضیٰ نقوی کا منہجِ فہمِ قرآن دراصل اس تہذیب کی بازیافت ہے جو قرآن نے اپنے پہلے مخاطبین کے دلوں میں پیدا کی تھی، جہاں قرآن محض پڑھا نہیں جاتا تھا بلکہ محسوس کیا جاتا تھا، سمجھا جاتا تھا، اور زندگی کی حقیقتوں میں ڈھل جاتا تھا۔ یہی وہ منہج ہے جو آج بھی انسان کو آزادی بھی دیتا ہے اور ہدایت بھی، بصیرت بھی عطا کرتا ہے اور عمل کی قوت بھی، اور سب سے بڑھ کر خدا کے کلام سے وہ زندہ تعلق قائم کراتا ہے جو انسان کو گمراہی کی ہر تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

دردِ دل

اگر قرآن فہمی کے اصول صحیح طرز پر مدون ہو جائیں، وہ بھی اہلِ عرب، اہلِ قرآن، اور قدیم اسلامی مدارسِ تفسیر کے اصل اصولوں کے مطابق، تو یہ ایک تحقیقی انقلاب ہو گا۔ قرآن کے اپنے اصول، اہلِ لغت کے اصول، اہلِ عقل و استدلال کے اصول اور عرب کے طریقِ فہم ہی وہ راستہ ہیں جو مرضی خدا کے ساتھ ساز گار ہیں۔ یہ وہ اصول ہیں جنہیں "Quranic Hermeneutics" بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ خود قرآن، عربی زبان، قدیم تفسیر، اور اہلِ عرب کے طریقِ فہم پر مبنی ہیں۔

قرآن فہمی کے اصل اصول-----عنوان کا تعارف

قرآن کو سمجھنے کا پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ خود اپنے معنی خود واضح کرتا ہے۔ قرآن کسی بیرونی روایت یا موروثی مذہبی ذہن کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب اپنے نظامِ دلالت، اپنے اسلوبِ بیان، اور اپنی داخلی ساخت کے ذریعے اپنے پیغام کو مکمل کرتی ہے۔ سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ قرآن کی ہر آیت کو اس کی دوسری آیات سے سمجھا جائے۔ اگر کوئی آیت مجمل ہو، متشابہ ہو یا معانی میں پیچیدگی رکھتی ہو تو اس کا جواب اسی کتاب کے محکم مقامات میں ہے۔ اہلِ عرب کی تفسیر کا نقطۂ آغاز یہی تھا کہ لفظ کو قرآن کے مجموعی نظام میں رکھا جائے، نہ کہ بعد کی فقہی یا کلامی بحثوں میں۔

قرآن فہمی کا دوسرا اصول یہ ہے کہ لغت کو عرب کے محاورے، اسالیب اور لسانی تہذیب کے ساتھ سمجھا جائے۔ برصغیر کی سب سے بڑی لغوی غلطی یہ ہے کہ یہاں ہر لفظ کا ترجمہ لفظی معنوں میں کر دیا جاتا ہے، نُسـ ق و اسلوب کا اثر قتل ہو جاتا ہے۔ لیکن اہلِ زبان جانتے ہیں کہ عربی کے ہزاروں الفاظ کا اصل مفہوم صرف اس کے استعمال اور محاورے سے پھوٹتا ہے، نہ کہ ڈکشنری سے۔ مثال کے طور پر "مکر" کا ترجمہ ہمارے ہاں دھوکہ، فریب اور جھوٹ کیا جاتا ہے، جب کہ عربی میں یہ لفظ "اسٹراٹیجک تدبیر" کے معنی میں آتا ہے جو بدی کے مقابلے میں عدل کی تدبیر ہوتی ہے۔ اسی طرح "تقویٰ" کا معنی اخلاقی بیداری تھا، "اسلام" کا معنی شعوری اطاعت تھا، "کافر" کا معنی محض چھپانے والا تھا، لیکن برصغیر نے ان سب الفاظ کو جامد مذہبی اصطلاحات بنا

دیا۔ اہلِ عرب کے اصول کے مطابق قرآن کو سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ کی روح پہلے دیکھی جائے، پھر اس کی دعوت کو سمجھا جائے، اس کے بعد اس کا اطلاق کیا جائے۔

قرآن فہمی کا تیسرا اصول یہ ہے کہ ہر آیت کو اس کے سیاق کے ساتھ پڑھا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آیت حکم دے رہی ہے یا اخلاقی اصول بیان کر رہی ہے تو اس سے پہلے اور بعد کی آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ اس حکم کی حدود کیا ہیں، اس کا مقصد کیا ہے، اور وہ مجموعی پیغام میں کس مقام پر آتی ہے۔ برصغیر میں سیاق کو کاٹ کر احکام اخذ کرنا سب سے بڑا سببِ گمراہی ہے۔ اسی لیے استاد نے توجہ دلائی کہ "من یشاء" جیسی آیات کو جب تک انسان کے اختیار کی مؤکد آیات کے ساتھ نہیں پڑھا جائے گا، خدا کا تصور بگڑ جائے گا۔ سیاقی اصول نہ صرف معنی کھولتا ہے بلکہ عقیدے کو محفوظ رکھتا ہے۔

قرآن فہمی کا چوتھا اصول یہ ہے کہ قرآن کو اخلاقی اور وجودی متن کے طور پر پڑھا جائے۔ یعنی قرآن بنیادی طور پر انسانی ارادے، کردار، شعور اور دل کی دنیا کو مخاطب کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص آیت کو محض فقہی حکم یا تاریخی واقعہ سمجھ کر آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ قرآن کی اصل روح چھین لیتا ہے۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ہر حکم کے ساتھ اخلاقی بنیاد رکھتا ہے، ہر قصے کے ساتھ حکمت رکھتا ہے، ہر واقعے کے ساتھ انسان کے ذہن کو بدلنے کا پیغام رکھتا ہے۔ اہلِ زبان اور عرب مفسرین اس اصول پر سختی کے ساتھ کاربند تھے کہ آیت کی علت اخلاق ہے، نہ کہ محض صورتِ مسئلہ۔ برصغیر نے اس اخلاقی مرکزیت کو چھوڑ کر فقہی جزئیات کو اصل بنا دیا اور قرآن کی روح کمزور ہو گئی۔

قرآن فہمی کا پانچواں اصول یہ ہے کہ اس میں عقل، فطرت، استدلال اور شعور کو معیار بنایا جائے۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں، کہ اللہ ان لوگوں کو بدتر کہتا ہے جو عقل استعمال نہیں کرتے، کہ استدلال ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ عرب کے بڑے مفسرین نے یہی بتایا کہ قرآن عقل کو وحی کا خادم نہیں بلکہ اس کا دوست اور شہادت دینے والا بناتا ہے۔ برصغیر میں عقل کو دین سے خارج کر دیا گیا، نتیجتاً دین جذباتی رسوم کا مجموعہ بن گیا۔ اہلِ قرآن کا اصول ہے کہ ہر فہم عقلی بنیاد پر پرکھا جائے، ہر عقیدہ دلیل کے بغیر نامکمل سمجھا جائے۔

قرآن فہمی کا چھٹا اصول یہ ہے کہ قرآن کی آیات کو انسانی ارادے کے ساتھ پڑھا جائے، نہ کہ جبر کے فلسفے کے ساتھ۔ یہ قرآن کا مسلسل اعلان ہے کہ اللہ انسان میں تب تک تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ خود میں تبدیلی نہ لائے، انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، ہدایت اختیار کا نتیجہ ہے، نہ کہ جبری تقسیم۔ جبر کا تصور یونانی اور کلامی مناظروں سے آیا، قرآن کے اہلِ زبان اس سے مکمل بیگانہ تھے۔ استاد کا زور اس پر تھا کہ "یُضلّ" اور "یہدی" محنت کے اصول کے تابع ہیں۔ یہی عربی دلالت ہے، جبکہ برصغیر نے اسے الٹ کر خدا کے تصور کو مسخ کر دیا۔

قرآن فہمی کا ساتواں اصول یہ ہے کہ قرآن کو ایک زندہ کتاب کی طرح پڑھا جائے جس سے ہر دور کے انسان کو خطاب ہے۔ اہلِ عرب جانتے تھے کہ قرآن "تنزیل" یعنی تدریجی فہم اور "تذکیر" یعنی مسلسل یاد دہانی کا نظام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن ہر قاری سے ایک تازہ مکالمہ کرتا ہے۔ برصغیر کے اصولوں میں قرآن کو مقفل اور ماضی کا متن بنا دیا گیا، جبکہ قرآن خود

کو ہمیشہ موجود، حاضر اور انسانی ضمیر کا آئینہ قرار دیتا ہے۔ اسی لیے استاد نے کہا کہ آیات مجھے خود سے بات کرتی محسوس ہوتی تھیں۔ یہ قرآن کی زندہ طبیعت کا اثر ہے۔

قرآن فہمی کا آٹھواں اصول یہ ہے کہ روایت کو قرآن کے تابع رکھا جائے، نہ کہ قرآن کو روایت کے تابع۔ حقیقی اصولِ فہم میں سنت قرآن کی توسیع اور عمل کی عملی شکل ہے، لیکن اصول یہ ہے کہ قرآن معیار ہے، روایت اس کے مطابق پرکھی جائے گی۔ اہلِ حدیث، اہلِ عقل، اہلِ قرآن سب اس بات پر متفق تھے کہ اگر کوئی روایت قرآن کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے۔ برصغیر نے اس اصول کو ترک کر دیا، نتیجہ یہ کہ روایت نے قرآن پر غلبہ حاصل کر لیا۔

قرآن فہمی کا نواں اصول یہ ہے کہ فرقہ واریت کو قرآن کی روشنی میں پرکھا جائے، قرآن کی روشنی کو فرقوں کی بنیاد نہ بنایا جائے۔ قرآن واضح طور پر کہتا ہے کہ فرقے بن جانا خدا کی رسی چھوڑ دینے کی علامت ہے، جبکہ برصغیر میں قرآن کو فرقوں کی دلیل بنانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ عرب کا اصول یہ ہے کہ قرآن وحدتِ امت کا سرچشمہ ہے، اختلاف کا نہیں۔ جب تک یہ اصول زندہ رہے گا، قرآن کا پیغام بھی زندہ رہے گا۔

اور قرآن فہمی کا آخری اصول یہ ہے کہ قرآن کی دعوت انسان کے اندر موجود فطرت سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ قرآن فطری سچائیوں کو جگاتا ہے، انسان کے دل کو بیدار کرتا ہے، ارادے کو مضبوط کرتا ہے، کردار کو پاکیزہ بناتا ہے۔ اہلِ زبان قرآن کو "کتابُ الفطرۃ" سمجھتے تھے، اور اسی لیے ان کے یہاں قرآن فہم کا بنیادی اصول یہی تھا کہ معنی وہی درست ہیں جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہوں، باطن کو نئی روشنی دیں، اور اخلاق کو راسخ کریں۔

کتاب کا علمی اور منہجی خاکہ

مقدمہِ کتاب — ضرورت، مقصد اور علمی روش

یہ کتاب اُس بنیادی ضرورت کا جواب ہے جو برصغیر کے مسلم قاری کے ذہن میں صدیوں سے پنہاں ہے: قرآن کو اس کے اصل عربی اصول، اہلِ زبان کے منہج اور قدیم تفسیراتی روایات کے مطابق سمجھنے اور پیش کرنے کی ضرورت۔ یہاں مقصد محض ایک تعلیمی شیٹ تیار کرنا نہیں بلکہ ایک منہجی انقلابی تجدید پیش کرنا ہے جو قرآن کی ذاتی، اخلاقی اور اجتماعی دعوت کو دوبارہ زندگی دے۔ برصغیر میں قرآنی فہم کی صورتِ حال کی جڑ میں چند بنیادی امر ہیں: لفظی ترجمے کی حکمرانی، سیاق و سورہ کے اصول کا ترک ہونا، تقلید کا غلبہ، اور روایات یا فقہی روایتوں کو قرآنی معیار پر مقدم رکھنا۔ اس مقدمے کا مقصد یہی ہے کہ آپ کے قاری کو باور کرایا جائے کہ قرآن ایک زندہ متن ہے، اس کے معنی لسانی، منطقی اور اخلاقی اصولوں سے کھلتے ہیں، اور اس کے سامنے سنت، عقل اور فطرت تینوں معاون ہیں مگر معیار قرآن ہی ہے۔ اس کتاب میں پیش کیے گئے اصول اور منہج اہلِ عرب، اہلِ لغت، اور موزوں تفسیر کے قدیم نمونوں سے متفق ہیں، مگر ان کو جدید قاری کے لیے قابلِ عمل اور واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں ابواب کی فہرست دی جا رہی ہے۔

باب اوّل: قرآن کا اپنا منہجِ فہم — آیات اپنی تشریح خود کرتی ہیں

اس باب میں آپ قرآن کے داخلی نظامِ معانی کی وضاحت کریں گے۔

تشریح:

قرآن "تفسیر القرآن بالقرآن" کا اصول خود قائم کرتا ہے۔ محکمات، متشابہات، اور دلالت کا ربط اسی سے کھلتا ہے۔ اس باب میں آیات کی درآیات تفسیر کے تاریخی نمونے بھی دیے جائیں (مثلاً ہدایت = اختیار + کوشش)۔

باب دوم: عربی لغت اور لسانی تہذیب — قرآن سمجھنے کی پہلی شرط

بنیادی دلیل یہ کہ قرآن لسانِ عرب میں نازل ہوا، اس لیے ہر لفظ کا اصلی مفہوم صرف اہلِ عرب کے محاورے اور استعمال سے کھلتا ہے۔

اس میں آپ وہ تمام الفاظ شامل کریں جو برصغیر میں غلط سمجھے گئے، جیسے:

اسلام، تقویٰ، کفر، فسق، مکر، وہم، نفاق، جنّ، صلوٰۃ، زکوٰۃ، ہدیٰ وغیرہ۔

باب میں اصولِ لغت (اشتقاق، بلاغت، سیاقی معنویت) شامل ہوں گے۔

باب سوم: سیاق اور نظمِ قرآن

یہ باب قرآن کے سب سے بنیادی اصول کو کھولے گا:

کوئی آیت اپنے سیاق سے کاٹ کر نہیں سمجھی جا سکتی۔

مثالیں:

من یشاء کی آیات

قتال کی آیات

غلبہ یا سزا کی آیات

احکام اور اخلاق کے رشتے

باب میں دکھایا جائے گا کہ سیاق کیسے معنی تبدیل کر دیتا ہے۔

باب چہارم: عقل، فطرت، اور استدلال — ایمان کی شرط

یہ باب برصغیر کے سب سے بڑے مسئلے کی اصلاح کرے گا کہ یہاں "عقل" کو دین کے خلاف سمجھا گیا۔

جبکہ قرآن کہتا ہے:

دل اندھے ہوتے ہیں

جو عقل استعمال نہ کریں وہ حیوانوں سے بدتر ہیں

استدلال ایمان کا راستہ ہے

یہ باب قرآن کے عقلی منہج کو مکمل انداز میں پیش کرے گا۔

باب پنجم: اختیار، ارادہ، اور سنتِ الٰہی

یہ باب جبر اور تقدیر کے غلط تصورات کی اصلاح کرے گا۔

اہلِ عرب کا اصول یہ ہے کہ:

ہدایت = ارادہ + کوشش

گمراہی = انکار + فساد

تقدیر = قوانینِ الٰہی (سُنن)

اس میں "یضلّ من یشاء" اور "یھدی من یشاء" جیسی آیات کا صحیح مفہوم تفصیل سے بیان ہو گا۔

باب ششم: اخلاق کو مرکز بنانا — قرآن کا اصل منہج

یہ باب دکھائے گا کہ قرآن کا اخلاقی پیغام کس طرح ہر حکم، ہر قصے، ہر قانون کی بنیاد ہے۔

یہ وہ اصول ہے جسے برصغیر فقہی مسلکیت نے کمزور کر دیا۔

اہلِ عرب کے نزدیک قرآن پہلے اخلاق، پھر قانون، پھر عمل کی کتاب ہے۔

باب ہفتم: قرآن ایک زندہ متن — "تنزیل" اور "تذکیر" کا منہج

یہ باب بتائے گا کہ قرآن ہر دور اور ہر شخص سے نئے مکالمے کی بنیاد رکھتا ہے۔

اہلِ زبان اسے مکمل جاندار کتاب کے طور پر پڑھتے تھے جو ہر دور میں "نئے معنی" دیتی ہے، مگر فرقہ واریت نے اسے ماضی کا قیدی بنا دیا۔

باب ہشتم: روایت اور قرآن — اصل نسبت

یہ باب اصولِ فہم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔
یہ واضح کرے گا کہ سنت قرآن کی عملی تشریح ہے، مگر روایت قرآن کے تابع ہے۔
اگر کوئی روایت قرآن سے نہ ٹکرائے تو وہ معتبر، اگر ٹکرائے تو مردود۔
یہی اصول امام علیؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ، اور اہلِ عرب سب کے نزدیک قطعی تھا۔

باب نہم: فرقہ واریت اور قرآن — وحدت کی اصل تصویر

یہ باب اس بحران کی تشریح کرے گا کہ کس طرح برصغیر میں قرآن کو فرقوں کی دلیل بنایا گیا۔
جبکہ قرآن کہتا ہے کہ فرقے بن جانا خدا کی رسی چھوڑ دینا ہے۔
یہ باب قرآن کے اصولِ وحدت، اصولِ باہم احترام اور اصولِ علمی تنقید کو پیش کرے گا۔

باب دہم: قرآن اور انسانی فطرت — "کتاب الفطرۃ" کا تصور

اس باب میں بتایا جائے گا کہ قرآن فطرتِ انسانی کے ساتھ گہری مطابقت رکھتا ہے۔
ہر حکم، ہر تعلیم، اور ہر اخلاقی نتیجہ انسان کے اندرونی شعور سے ملتا ہے۔
اہلِ عرب قرآن کو فطرت کی کتاب کے طور پر سمجھتے تھے، اس لیے ان کی تفسیر زندہ رہتی تھی۔

باب یازدہم: انحرافات — کن راستوں نے قرآن فہمی کو بگاڑا؟

یہ باب تحقیقی لحاظ سے بہت اہم ہے۔
اس میں درج ذیل تاریخی غلطیوں کو بیان کیا جائے گا:

ترجمہ کی غلطیاں

لغت سے قطع نظر ترجمہ

سیاق سے کٹی ہوئی آیات

فقہ کی بنیاد پر قرآن

کلامی مناظروں کا اثر

روایات کے غلبے نے قرآن کو ثانوی بنا دیا

فرقہ واریت کا فہمِ قرآن پر قبضہ

یہ باب پورے برصغیر کے علمی زوال کی جڑوں کو کھولے گا۔

باب دوازدہم: قرآن فہمی کا عملی طریقہ — ایک مکمل منہج

اس آخری باب میں آپ قرآن فہمی کا جامع طریقہ مرتب کریں گے:

آیت پڑھو

لغت سے مفہوم سمجھو

سیاق دیکھو

متشابہ کو محکم سے ملاؤ

اخلاقی نتیجہ نکالو

عقل سے پرکھو

سنت سے تعامل دیکھو

فطرت سے ہم آہنگی چیک کرو

پھر اسے زندگی میں اتارو

یہ وہ منہج ہے جو اہلِ زبان اور اصل قرآن کا ہے، نہ کہ برصغیر کا۔

ذیل میں ابواب کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

ابواب کا تعارف:

باب اوّل: قرآن کا اپنا منہجِ فہم — آیات اپنی تشریح خود کرتی ہیں

قرآن کا سب سے بنیادی فرمان یہ ہے کہ وہ "تفسیر القرآن بالقرآن" کے اصول پر قائم رہتا ہے۔ یعنی قرآن کے محکم اور متشابہ مقامات آپس میں ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہیں۔ جب کوئی آیت مجمل یا متشابہ محسوس ہو تو سب سے پہلے اسی کتاب کے محکم، واضح اور قطعی بیانات کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس ذریعے سے نہ صرف لغات کا معنی واضح ہوتا ہے بلکہ احکام، قصص اور تشریعات کا سیاق بھی کھل جاتا ہے۔ اس باب کا نصب العین یہ بتانا ہے کہ قرآن ایک مربوط، منظم نظامِ بیانی ہے، نہ کہ اقوالِ پراگندہ کا مجموعہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جزوی/آیت بہ آیت تجریدی تفسیر سے بچ کر ہمیں متنِ جامع اور نظمِ کلّی میں جاکر معنی کھودنے چاہئیں۔ مثال کے طور پر آیت "یُضِلّ من یشاء ویَھدِی من یشاء" کو اگر الگ سے پڑھا جائے تو غالباً جبر یا الوہیت کی غلط تعبیر سامنے آئے گی؛ مگر جب اسی آیت کو ان آیاتِ محکمات کے ساتھ پڑھا جائے جو انسان کی

کوشش، اختیار اور نتیجہ پر روشنی ڈالتی ہیں تو معنی واضح ہو جاتے ہیں: ارادہ اور کوشش کے بعد اللہ کی ہدایت کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس باب میں تاریخی حوالوں سے یہ بھی دکھایا جائے گا کہ قدیم مفسرین کس طرح آیات کو ایک دوسرے سے مربوط کرتے تھے اور اس طریقِ کار کے نتائج کون سے ہیں جو غلط فہمیوں کو دور کر دیتے ہیں۔

باب دوم: عربی لغت اور لسانی تہذیب — قرآن سمجھنے کی پہلی شرط

قرآن لسانِ عرب میں نازل ہوا، اس لیے قرآن فہمی کی پہلی شق یہ ہے کہ الفاظ کو ان کے اصل لسانی استعمال، محاورے اور ادبی اسالیب کے مطابق سمجھا جائے۔ لغت محض ڈکشنری کی نقل نہیں بلکہ استعمال اور سیاق کا مجموعہ ہے۔ عربی شاعری، نثر اور محاورات نے الفاظ کی معانی میں تنوع پیدا کیا ہے اور اہلِ عرب کے مراجع یہی بتاتے ہیں کہ کسی لفظ کی رنگت، شدت اور استعارہ اسی کے ادبی استعمال سے سامنے آتی ہے۔ اس باب میں چند اہم کلاسیکی اصول پیش کیے جائیں گے: (1) اشتقاقی مطالعہ یعنی لفظ کے جڑ سے امکانات نکالنا، (2) سیرتِ استعمال یعنی لفظ کن مواقع پر اور کس معنویت کے ساتھ آتا ہے، (3) مقامی اور محاوراتی معنی کا فرق، اور (4) بلاغت اور مجاز کی شناخت۔ پھر ہم چند ایسے الفاظ کی تفصیلی لغوی بازخوانی کریں گے جن کے غلط ترجمے برصغیر میں عام ہیں — مثلاً ''تقویٰ'' کو محض خوف سمجھ لینا، ''مکر'' کو جھوٹ یا بدنیتی کا صرف منفی مفہوم دینا، ''کفر'' کو محض عقیدہ سے غیر عادل مفہوم نکالنا وغیرہ۔ اس باب کا مقصد قاری کو وہ آلات دینا ہے جن سے وہ ہر آیت کے الفاظ کی لسانی تہہ تک پہنچ سکے۔ ساتھ ہی عملی مشقیں بھی دی جائیں گی تاکہ قارئین خود الفاظ کا لغوی تجزیہ کر سکیں اور عام غلطیوں سے بچیں۔

باب سوم: سیاق اور نظمِ قرآن

ہر آیت اپنے اس سیاق میں پڑھی جائے تو اس کے معنی ٹھیک سامنے آتے ہیں۔ قرآن کا ہر حصہ نہایت ظریف نظم اور منطقی تسلسل کا حامل ہے۔ سیاق کا محوری مطلب صرف پہلے یا بعد والی آیتیں نہیں بلکہ سورہ کی مجموعی حکمت، تاریخی واردات اور مخاطب کا حال بھی ہے۔ اس باب میں ہم سیاق کے مختلف مراتب کی تشریح کریں گے: لفظی سیاق، موضوعاتی سیاق، تاریخی سیاق (اور اس میں اسباب النزول کا محتاط استعمال)، اور نحوی / بلاغی سیاق۔ پھر ہم دکھائیں گے کہ کس طرح سیاق کو نظر انداز کرنے سے شدید غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر جنگ یا قتال کی آیات کو عمومی قیاس سے نکال کر ہر زمانے اور صورتِ حال میں لاگو کرنا پڑا ہے؛ مگر سیاقی مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ احکام مخصوص حالات، قواعدِ جنگ، اور عہدِ ثانوی معاملات کے تناظر میں آتے ہیں اور عمومی اخلاقی اصول کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی طرح ترجمانی مثال میں "یُضِلّ من یشاء" جیسی آیات کو جب نصوصِ اختیار، توبہ اور استدلال کے ساتھ جوڑا جاتا ہے تو انہیں غلط مفہوم سے پاک کیا جا سکتا ہے۔ اس باب میں عملی ماڈل بھی دیا جائے گا جس سے قارئہ ہر آیت کا سیاق سوچیئے اور معنی اخذ کرے۔

باب چہارم: عقل، فطرت، اور استدلال — ایمان کی شرط

قرآن نے عقل اور استدلال کو ایمان کا مرکزی عنصر قرار دیا ہے۔ نہ تو عقل وحی کی جگہ لیتا ہے اور نہ وحی عقل کو مسترد کرتی ہے؛ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ اس باب کا مرکزی

مقصد وہ علمی مباحث ختم کرنا ہے جو عقل کو دین کے خلاف یا دین میں خطرناک بتاتے ہیں۔ قرآن نے آنکھ، کان اور دل کے استعمال کو بارہا ترغیب دی ہے اور عقل کی غفلت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس باب میں تاریخی طور پر دیکھا جائے گا کہ اہلِ عرب اور ابتدائی مفسرین نے کس طرح استدلال کو تقویت دی، کس طرح دلیل وبرہان کو قرآنی دلائل کے ساتھ ملا کر احکام اخذ کیے، اور کن منطقی اصولوں کی بنا پر وہ تشریحات انجام دیتے تھے۔ اسی باب میں کلامی فلسفہ اور نظریۂ جبر و اختیار کے تاریخی مباحث کا قرآنی موٴقف آسان اور جلی انداز میں پیش کیا جائے گا۔ عملی طور پر قاری کو کچھ واضح رہنما خطوط دیے جائیں گے: وہ کیسے دلیل سے معقولیت چیک کرے، کیسے تاریخی، لغوی اور منطقی شواہد کو تولیئے، اور کیسے استدلال کو ایمان کا تقویت بخش ذریعہ بنائے۔ اس باب میں چند قرآنی مثالیں بھی آئیں گی جو عقل اور استدلال کے متوازی قرآنی دلائل دکھائیں گی، مثلاً "تدبر" کی آیات، "آیاتِ کائنات" کی دعوت، اور دل کی بیداری کی تاکید۔

باب پنجم: اختیار، ارادہ، اور سنتِ الٰہی

اس باب کا محور تصورِ اختیار اور سنتِ الٰہی کا صحیح ملاپ ہے۔ قرآن میں تقدیر اور سنتِ الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا بنیادی طور پر قوانینِ علت و معلول کے تحت چلتی ہے، مگر انسان کے اندر ارادہ انتخاب اور کوشش موجود ہیں جن کے ذریعہ نتائج بدل سکتے ہیں۔ اس باب میں ہم جبرِ کلامی کا تجزیہ کریں گے اور دکھائیں گے کہ قرآن کی آیاتِ "یُضِلّ" اور "یَھْدِی" کا درست معنا انسانی ارادے اور اس کی کوشش کے بعد کا نتیجہ ہے۔ ہم قدیم مفسرین کے وہ دلائل اور نحوی قرائن پیش کریں گے جن کے تحت "من یشاء" کا مطلب محض "اللہ جو چاہے" کے ساتھ ساتھ یہی بھی

سمجھا گیا کہ اللہ نے انسان کو اس کی خواہش اور کوشش کے مطابق جزا و سزا میں مشغول رکھا ہے۔ اس باب میں عملی مثالیں ہوں گی: توبہ کا مطلب خود کا ارادہ اور عمل کا نتیجہ، جحت و آزمائش کی صورتوں میں انسان کے کردار کا جزوِلازم، اور معاشرتی انصاف کے لحاظ سے سُننِ الٰہی کا بیان۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ تقدیر کا مطلب غیر ذمّہ داری نہیں بلکہ ایک نظامِ عالم ہے جس کے اندر انسان کی آزمایش ممکن ہے اور اس کا اخلاقی وزن ہے۔

باب ششم: اخلاق کو مرکز بنانا—قرآن کا اصل منہج

قرآن کا بنیادی پیغام اخلاق ہے۔ ہر حکم، قصہ اور تشریع کا مقصد انسانی اخلاقی قلب کو مضبوط کرنا ہے۔ اس باب میں ہم واضح کریں گے کہ قرآن نے قانون سازی کبھی محض آمرانہ طرز پر نہیں کی، بلکہ ہر حکم کے پس منظر میں ایک اخلاقی ہدف رکھا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، زکات اور دیگر عبادات کے پیچھے اخلاقی تربیت، اجتماعی انصاف اور قلبی توازن کا مقصد غالب ہے۔ اس باب میں چند بڑے اخلاقی موضوعات کو نمایاں کیا جائے گا: عدل، احسان، صبر، شکر، عدلِ بین الناس، امانت، اور حکمت۔ پھر دکھایا جائے گا کہ کس طرح برصغیر میں فقہی مباحث نے یہ اخلاقی بنیاد دھندلا دی اور احکام کو صرف ظاہری رواج سمجھ لیا۔ اس باب میں ہم عملی مثالوں کے ذریعے یہ بتائیں گے کہ ایک قرآنی اخلاقی تشریح کس طرح معاصر سماجی مسائل (مثلاً امتیازی سلوک، اقتصادی استحصال، سیاسی ظلم) کا حل پیش کرتی ہے۔ یہی وہ باب ہے جو قارئین کو دکھائے گا کہ قرآن کا پیغام صرف فردی عبادات تک محدود نہیں بلکہ سماجی انصاف اور فطری اخلاق کے لیے بھی ہے۔

باب ہفتم: قرآن ایک زندہ متن — "تنزیل" اور "تذکیر" کا منہج

قرآن کا لفظ "تَذْکِرَۃٍ" (یاد دہانی) اور "تَنْزِیل" کی نسبت اس کی زنجیرِ حیات کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ کتاب محض تاریخ یا نصوص کا مجموعہ نہیں؛ بلکہ ہر دور کے قاری سے نئی گفتگو کرتی ہے۔ اس باب میں ہم تصورِ "زندہ متن" کی تشریح کریں گے اور دکھائیں گے کہ قرآن کا خطاب زمان و مکان سے ماوراء ہے مگر ہر زمان کے حالات کو مخاطب کرتا ہے۔ قدیم مفسرین اس بات کو سمجھتے تھے کہ ہر دور میں قرآن کے معانی نئے رنگ میں نمودار ہو سکتے ہیں مگر متن کا مطلق معیار محفوظ ہوتا ہے۔ اس باب میں ہم اس بات کی مثالیں دیں گے کہ کس طرح اخلاقی، سماجی یا سائنسی پیش رفت کو قرآن کے ساز و سامان میں ڈھالا جا سکتا ہے بغیر متن کی تحریف کے۔ نیز اس میں نحوی اصول بھی آئیں گے جن کے ذریعہ قاری معلوم کر سکے کہ کون سی تعبیر تاریخی مخصوص ہے اور کون سی عمومی اور دائمی۔ اس باب کا فلسفہ یہ ہے کہ قرآن کی حقیقت کا ادراک تبھی ممکن ہے جب ہم اسے وقت کے تقاضوں کے ساتھ مربوط کر کے پڑھیں، مگر ہر عمومی اصول متن کی مطلقی حیثیت سے حفاظت کرے۔

باب ہشتم: روایت اور قرآن — اصل نسبت

سنت و روایت قرآنی پیغام کی عملی پیراوی اور تفسیر کا ذریعہ ہیں، مگر روایت ہمیشہ قرآنی معیار کی تابع ہونی چاہیے۔ اس باب میں ہم روایت کے اہلِ متن کے علمی معیار، راویوں کی اعتباریت، اور روایت کے معانی کو قرآن کے تناظر میں پرکھنے کے اصول تفصیلاً بیان کریں گے۔ مرفوع،

موقوف، اور مقطوع احادیث کی تمیز، اسباط روایت اور ان کا سیاقِ نزول کے ساتھ مطابقت، اور تاریخی حالات میں روایت کی تشریح کے اصول یہاں آئیں گے۔ خاص طور پر یہ واضح کیا جائے گا کہ اگر کوئی روایت قرآن کے واضح مفہوم کے خلاف پڑتی ہے تو وہ روایت قرآنی معیار کی روشنی میں مسترد ہونی چاہیے۔ اس باب میں فقہی روایات کی مثالیں دی جائیں گی جنہوں نے کس طرح قرآنی معنویت کے خلاف طرزِ عمل کو تقویت دی اور کس طرح اہلِ عرب نے ان روایات کو قرآنی معیار کے مطابق قرینہ بنایا یا ترک کیا۔ یہ باب عملی طور پر محدثین، فقہا اور مفسرین کے مکاتب فکر کے نظریاتی فرق کو بھی سادہ انداز میں نمایاں کرے گا۔

باب نہم: فرقہ واریت اور قرآن — وحدت کی اصل تصویر

قرآن بارہا امت کی اتحاد، بھائی چارگی اور علم و حکمت کی دعوت کرتا ہے۔ فرقہ واریت، تفرقہ اندازی اور لعن طعن وہ عناصر ہیں جنہوں نے امت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ اس باب میں ہم تاریخی اور قرآنی دونوں زاویوں سے دیکھیں گے کہ کیوں فرقہ بندی قرآن کے اساسی پیغام کے خلاف ہے۔ ہم یہ ثابت کریں گے کہ قرآن کا اصل اصول امتِ واحدہ اور علم کے قدر و منزلت کی شراکت ہے۔ اس باب میں مخصوص قرآنی آیات کی قراءت ہو گی جو وحدت، بھائی چارگی اور علمی بحث کی حمایت کرتی ہیں۔ نیز یہاں یہ بھی تجزیہ ہو گا کہ فرقہ واریت نے کس طرح علمی تنقید اور استدلال کی جگہ جذبات، روایت اور سیاسی مفادات کو لے لیا، اور نتیجتاً قرآنی فہم کس طرح متاثر ہوا۔ اس باب کا مقصد قاری کو نہ صرف تنبیہ دینا ہے بلکہ عملی حکمتِ عملی فراہم کرنا — یعنی کس طرح علمی مکالمہ اور منطقی دلیل کے ذریعے فرقہ وارانہ رجحانات کا مقابلہ کیا جائے۔

بابِ دہم: قرآن اور انسانی فطرت — "کتاب الفطرۃ" کا تصور

قرآن فطرتِ انسانی کے اندر گھرا ہوا شعور جگاتا ہے۔ اللہ کی کتاب اسی فطرت کو زندہ کر کے انسانی دل کو اللہ کی ہدایت کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس باب میں ہم نفسیاتی، اخلاقی اور معاشرتی قرآنی دلائل پیش کریں گے جو دکھاتے ہیں کہ قرآن کس طرح فطری اصولوں کو بنیاد بنا کر رہنمائی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کی فطرت میں انصاف، سخاوت، قانون پسندی اور تعاون جیسی خصلتیں شامل ہیں؛ قرآن انہی خصلتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور مذہبی احکام کو انہی فطری خوبیوں کے مطابق وضع کرتا ہے۔ اس باب میں جدید نفسیات اور روایتی قرآنی تعلیم کو ایک دوسرے کے آئینے میں رکھا جائے گا تاکہ قاری یہ سمجھ سکے کہ اسلام فطرت کے خلاف نہیں بلکہ اس کا ترجمہ اور تکمیل ہے۔ اس نظریے کے عملی نتائج بھی واضح ہوں گے: اخلاقی تربیت، تعلیمی منصوبہ بندی اور معاشرتی قوانین کیسے فطری اصولوں کے مطابق ترتیب دیے جائیں تاکہ قرآن کا پیغام حقیقی معنوں میں معاشرے تک پہنچے۔

باب یازدہم: انحرافات — کن راستوں نے قرآن فہمی کو بگاڑا؟

یہ باب ایک تنقیدی تجزیہ ہے جس میں برصغیر اور عمومی مسلم دنیا میں قرآن فہمی کو متاثر کرنے والے انحرافات اور غلطیوں کو درج کیا جائے گا۔ ان میں خاص اہمیت کے حامل نکات شامل ہوں گے: ترجمے کی سطحی اور لغوی رویت؛ لغت اور سیاق کی نظر اندازگی؛ فقہی طور پر آیات کا کسی خاص مکتب کی حمایت کے لیے انتخاب؛ کلامی مناظروں کا قرآنی معنی کو ہموار کرنا؛ اور روایت کا

بلاجواز تسلیم۔ ہر انحراف کی مثالیں اور اس کے معاشرتی، فقہی اور اخلاقی نتائج پیش کیے جائیں گے۔ نیز ہر انحراف کے مقابلے میں قرآنی اور لسانی شفاف اصول بھی دیئے جائیں گے تاکہ قاری عملی طور پر جان سکے کہ غلطی کہاں ہو رہی ہے اور اسے کیسے درست کیا جائے۔ اس باب کا مقصد ملامت یا الزام تراشی نہیں بلکہ معروضی تحقیق کے ذریعے راہِ اصلاح دکھانا ہے۔

باب دوازدہم: قرآن فہمی کا عملی طریقہ —ایک مکمل منہج

یہ باب پورے کتاب کے علمی نتائج کو عملی صورت میں مرتب کرتا ہے: ایک مرحلہ وار منہجِ فہم جسے کوئی بھی قاری یا طالبِ علم استعمال کر سکے۔ منہج کے مراحل یہ ہوں گے: آیت کا ابتدائی مطالعہ، لغوی و نحوی تجزیہ، سیاق و نسق کی جانچ، محکم و متشابہ کا تقابل، اخلاقی اور وجودی نتیجہ اخذ کرنا، استدلالی چیک اور پھر سنت و فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کا پرکھ۔ ہر مرحلے کی تفصیلی رہنمائی، مثالیں، اور مشقیں اس باب میں ہوں گی۔ نیز یہاں چند نمونہ ٹیکسٹس بھی دیئے جائیں گے جن پر قاری خود منہج لاگو کر کے مشق کر سکے۔ اس باب کا اختتامی حصہ عملی سفارشات اور نصیحتوں کا حامل ہوگا: دینی درس و تدریس میں کیا تدابیر اپنانی چاہئیں، مدارس میں کون سے کورسز لازمی ہونے چاہئیں، اور ایک عام قاری کس طرح قرآن کے ساتھ روزمرہ زندگی میں مکالمہ قائم کرے۔

خاتمہ: نتیجہ، مستقبل کے امکانات اور عملی اپیل

کتاب کے اختتام پر ایک جامع نتیجہ ہوگا جو بتائے گا کہ اگر یہ اصول اور منہج عام ہو جائیں تو فرد، علم، اور معاشرہ کس حد تک بہتر ہو سکتے ہیں۔ عملی اپیل میں تعلیمی اداروں، مدارس، اور علمی

حلقوں کو دعوت ہو گی کہ وہ اس منہج کو تدریسی نصاب میں شامل کریں، اور عام لوگوں کو ترغیب دی جائے گی کہ وہ قرآن کے ساتھ مکالمہ کریں، عقل کو فعال رکھیں، اور فرقہ واریت سے خود کو دور رکھیں۔ اختتامی کلمات میں استاد کی مثال، اور چند عملی دعاؤں و نصائح بھی شامل کی جائیں گی تاکہ کتاب صرف علمی مشق نہ رہے بلکہ قاری کے دل کو حرکت دے۔

ابواب کی تفصیلی تشریح

بابِ اوّل: قرآن کا اپنا منہجِ فہم — آیات اپنی تشریح خود کرتی ہیں

یہ باب پورے منہج کا اساسی پتھر ہے، کیونکہ قرآن اپنی تفسیر خود مہیا کرتا ہے۔ وہ کسی بیرونی فلسفے، سیاسی پس منظر، فقہی مسلک، محدثین کی فہرستوں یا بعد کے مناظرہ پسندوں کا محتاج نہیں۔ قرآن کا طرزِ بیان ایک زندہ کلام کا طرزِ بیان ہے، جو خود اپنے اندر کمالِ وضاحت رکھتا ہے، بشرطیکہ قاری جلد بازی، تعصّب اور ٹکڑوں میں پڑھنے کی روش ترک کر دے۔

قرآن کا بنیادی اصول: "تفسیر القرآن بالقرآن"

قرآن اپنے معنی کی وضاحت اپنے ہی کسی دوسرے مقام سے کرتا ہے۔ اگر ایک مقام پر اجمال ہو تو دوسرے مقام پر تفصیل دی گئی ہے؛ اگر ایک جگہ اختصار ہے تو دوسری جگہ بسط ہے؛ اگر ایک مقام پر معنی احتمالی ہے تو دوسرے مقام پر اس کا قطعی قرینہ موجود ہے۔ یہ طریقہ اہلِ عرب اور اولین مفسرین دونوں کا مشترکہ منہج تھا۔

یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب قرآن پڑھایا تو اس میں کسی بیرونی نظامِ فکر یا غیر قرآنی معیارات کی طرف نہیں گئے بلکہ وہ آیاتِ محکمات کو بنیاد بنا کر مجمل مقامات کی تشریح فرماتے۔

اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن سے باہر کوئی چیز معنی کا معیار نہیں۔ حدیث، تفسیر، روایت، فلسفہ، یا تاریخ — سب قرآن کے تابع ہیں، قرآن ان کے تابع نہیں۔

قرآن محکمات اور متشابہات کی تقسیم کیوں بیان کرتا ہے؟

خود قرآن نے کہا ہے کہ اس میں دو طرح کی آیات ہیں:

1. محکمات — پائیدار، بنیادی، واضح، قطعی اصول
2. متشابہات — وہ آیات جن کے معانی متعدد پہلو رکھتے ہیں، یا جنہیں سمجھنے کے لئے پورے قرآن کا نظم چاہیے

یہ تقسیم بتاتی ہے کہ قرآن چاہتا ہے کہ رہنمائی محکمات سے لی جائے، اور ان محکم آیات کو بنیاد بنا کر متشابہات کو سمجھا جائے۔

یہاں سب سے بنیادی نکتہ یہ ہے کہ کسی آیت کا واضح ترجمہ ہونا اس کے محکم ہونے کی شرط نہیں۔ بعض آیات ترجمہ میں تو واضح لگتی ہیں مگر پورے نظام میں رکھی جائیں تو ان کے معنی غلط سمت دکھا سکتے ہیں۔

مثال: "يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ"

اگر صرف ترجمہ دیکھا جائے تو معنی یوں آئے گا:

"اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

یہاں اگر محض اس جملے پر اعتماد کیا جائے تو "جبر" کا ایک تصور پیدا ہوگا، جس میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے۔

مگر جب اس آیت کو باقی قرآن کے ساتھ پڑھتے ہیں تو معنی مکمل طور پر بدل جاتا ہے—

قرآن آگے کہتا ہے:

"اللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ"

"اللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ"

"إِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ"

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

ان سب محکم آیات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت و ضلالت انسان کے ارادے اور عمل کے ساتھ مشروط ہے۔

پس اصل معنی یوں بنا:

"اللہ اُس شخص کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کو چاہے اور ہدایت کا طالب ہو؛ اور اللہ اُس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے جو اپنے ظلم، فسق اور عناد سے خود گمراہی کو اختیار کرے۔"

یہی "تفسیر القرآن بالقرآن" ہے۔

آیات کا باہمی ربط: قرآن ایک منتشر کتاب نہیں

قرآن کا اسلوب ایسا ہے کہ وہ موضوع کو کبھی ایک جگہ پوری طرح بیان نہیں کرتا بلکہ

— کبھی حکم یہاں

— شرط وہاں

— علت کسی اور جگہ

—اور نتیجہ کسی اور مقام پر بیان کر دیتا ہے۔

یہ طریقہ اہلِ عرب کے کلام کا مکمل اسلوب تھا۔

مثلاً "نماز" کے احکام پوری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں، مگر مجموعی طور پر ایک کامل نظام سامنے آجاتا ہے۔ "اصلاحِ نفس" کے اصول کئی سورتوں میں بکھرے ہیں مگر سب مل کر ایک مربوط اخلاقی ڈھانچہ بناتے ہیں۔

اسی لیے قرآن کو "کتاباً متشابهاً مثانِ" کہا گیا—یعنی ایسی کتاب جس میں معنی اور احکام ایک دوسرے کی طرف لوٹتے رہتے ہیں اور بار بار اپنی تکمیل کرتے ہیں۔

مثال: "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ"

یہ حکم تو ہر جگہ ہے، مگر نماز کے طریقے، کیفیت، حدود، وقت، خشوع، اثرات اور اس کی روح سب پورے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اگر کوئی شخص بعض آیات پر زور دے کر صرف "حرکات" کو نماز کا اصل سمجھ لے گا تو وہ غلط جائے گا۔ اور اگر کوئی صرف "روحانی کیفیت" کو اصل قرار دے گا اور ظاہری ڈھانچہ چھوڑ دے گا تو وہ بھی غلط جائے گا۔

قرآن کہتا ہے:

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ لِذِكْرِي" —نماز ذکر ہے

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ" —نماز سماجی ذمہ داری کے ساتھ ہے

"إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ" —اس کا اخلاقی اثر ہے

"حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ" —اس کا نظم بھی لازم ہے

قرآن ایک آیت نہیں، ایک نظام ہے۔

اصل اصول: جزئی آیت ہمہ گیر معنی نہیں دیتی

اہلِ عرب کی زبان کا اصول ہے کہ ایک جملے یا ایک آیت سے کسی پوری شریعت یا اخلاق کا معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

معنی ہمیشہ "کلام کے مجموعی نظام" سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی لیے قرآن اپنے سامع سے تدبر چاہتا ہے:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ"

"تدبر" یعنی پورے متن کو ایک وحدت کے طور پر پڑھنا۔

قرآن کا اپنا حفاظتی نظام: آیت ضدِ قرآن معنی نہیں دے سکتی

اہلِ عرب کے اصول کے مطابق اگر کسی مقام سے ایسا معنی نکل رہا ہو جو قرآن کے بنیادی مقاصد، اصولوں یا اخلاقی بنیادوں کے خلاف ہو—

تو وہ معنی باطل ہے، خواہ ترجمے میں کتنا واضح کیوں نہ لگے۔

یہی اہلِ بیت علیہم السلام نے سکھایا:

"مَا خَالَفَ كِتَابَ اللهِ فَاضْرِبُوهُ عَلَى الجِدَار"

جو قرآن کے خلاف ہو، اسے دیوار پر دے مارو۔

پس قرآن کا پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن اپنے خلاف معنی کو قبول نہیں کرتا۔

قرآن فہمی کا قاعدہ جو ہمیشہ کام کرے گا

جب بھی کسی آیت کا معنی واضح نہ ہو—

1. پہلے اس کے ہم مضمون آیات تلاش کرو
2. پھر اس کا نظم دیکھو
3. پھر الفاظ کے استعمالات دیکھو
4. پھر محکم آیات کے ساتھ اس کا ربط دیکھو

اگر معنی پھر بھی واضح نہیں ہوتے تو نتیجہ یہ نہیں کہ قرآن کا مسئلہ ہے بلکہ قاری نے ابھی تک پورے قرآن کو جمع نہیں کیا۔

نتیجہ

بابِ اوّل ہمیں تین اصول دیتا ہے:

1. قرآن کی تشریح قرآن ہی کرے گا۔
2. محکمات بنیاد ہیں، متشابہات ان کے تابع ہیں۔
3. جو معنی قرآن کے عمومی اخلاق، نظم، مقصد اور اصولوں کے خلاف نکلے، وہ باطل ہے۔

یہ اصول پورے منہج کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔

اگر قاری یہ سیکھ لے تو 70 فیصد غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

باب دوم: سیاق و سباق — قرآن فہمی میں زمان و مکان کی حاکمیت

قرآن اپنے الفاظ میں اترنے کے ساتھ اپنے حالات میں بھی اترتا ہے۔ وحی کا لفظ صرف نزولِ عبارت نہیں بلکہ نزولِ معنی بھی ہے، اور معنی ہمیشہ کسی خاص سیاق میں جنم لیتا ہے۔ عربِی مبین کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی جملہ اپنے مقام، اپنے خطاب، اپنے ماحول اور اپنے لمحے کے بغیر کبھی مکمل طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہی وہ اصول ہے جسے عربی کے اہلِ زبان "فہمِ کلام" کا اصل معیار مانتے تھے۔

قرآن اسی معیار پر سمجھا جاتا ہے۔

یہ باب قرآن کے اس اصول کی وضاحت کرتا ہے کہ آیت کو اس کے زمان، مکان، مخاطب اور جاری حالات میں پہچانا جائے، تاکہ معنی وہی نکلے جو وحی نے مراد لیا تھا، نہ کہ وہ جو مفسر کی ذہنی ساخت یا زمانے کی عصبیت میں گھل کر پیدا ہو جائے۔

سیاق، عربِی اصیل کا قطعی اصول

اہلِ عرب اپنی گفتگو، شاعری اور خطابت میں جملے کی فہم کو ہمیشہ سیاق کے تابع رکھتے تھے۔ کوئی لفظ اپنے لغوی معنی سے نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس ماحول سے سمجھا جاتا تھا جس میں وہ ادا ہوتا ہے۔ ایک ہی لفظ دو مختلف مواقع پر مکمل مختلف معانی دیتا ہے، اور یہی لچک عربیت کی طاقت ہے نہ کہ کمزوری۔

مثال کے طور پر جاہلی شاعر جب کہتا ہے:

"وَالنَّارُ بَيْنَنَا"

تو لغت میں اس کا معنی "آگ" ہے، مگر سیاق میں اس کا مطلب "ہم دونوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک چکی ہے" ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن کا لفظ بھی تنہا نہیں چلتا بلکہ اپنے ماحول میں پورا جملہ بنتا ہے۔

نزول کا زمانہ — یعنی "وحی کا لمحہ"

ہر آیت جس لمحے نازل ہوئی، وہ لمحہ اس کے معنی میں رچا بسا ہے۔ قرآن نے اپنے خطاب میں نہ صرف نمائندگی کی بلکہ حالات کو آئینہ بنا کر ان کے مطابق ہدایت کے در کھولے۔ کسی آیت کو اس وقت کے ماحول سے الگ کر کے دیکھنا ایسا ہے جیسے کسی خط کو اس کے لفافے کے بغیر پڑھا جائے۔

دو چیزیں خصوصاً قابلِ فہم ہیں:

۱۔ حالاتِ نزول (Asbāb al-Nuzūl) کا اصل مفہوم

اہلِ زبان کے یہاں "سببِ نزول" وہ نہیں جو بعد کی تفسیروں میں روایات کی صورت میں گھل گیا بلکہ وہ اصل "وقتی ضرورت" ہے جس کے تحت خطاب ہوا۔ عرب کے نزدیک "سبب" ہمیشہ وہ عملی حالت ہوتی ہے جو کلام کو جنم دیتی ہے۔ بعد کے قصے، حکایات اور روایات جن میں بے ربط کہانیاں شامل ہو گئیں، وہ عربی فہم کا حصہ نہیں۔

اہلِ زبان کے اصول کے مطابق "سببِ نزول" کا مطلب ہے:

آیت اس واقعے کے حوالے سے نازل ہوئی جس کا سامنا رسول کر رہے تھے اور جس میں مخاطبین کی ذہنی فضا موجود تھی۔

یہی اصل علم ہے۔

۲۔ نزول کا تاریخی تسلسل

قرآن چوبیس سال میں نازل ہوا۔ اس کے دوران حالات بدلتے رہے:

مکہ کی کمزور دعوت، شعب ابی طالب، ہجرت، مدینہ کی ریاست، جنگیں، معاہدے، منافقین کا وجود، اسلامی نظام کی تشکیل—یہ سب وہ ماحول ہے جس نے آیات کو ترتیب دی۔

آیت کے معنی اسی تاریخی حرکت میں کھلتے ہیں۔

جیسے:

جہاد کی آیات کا اصل فہم تب ہی ہوتا ہے جب مکی کمزوری، مدنی دفاع اور بین الاقوامی دشمنیوں کے منطقی ربط کو دیکھا جائے۔ اگر ان آیات کو سیاق سے نکال کر "عام حکم" سمجھ لیا جائے تو مفہوم تباہ ہو جاتا ہے، اور یہی غلطی اکثر ہوئی۔

مخاطبین کا تعین—قرآن کس سے بات کر رہا ہے؟

اہلِ زبان کا اصول یہ ہے کہ کلام کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ یہ پہچانا جائے کہ وہ کس کو مخاطب کرتا ہے۔

قرآن میں کبھی خطاب مشرکین سے ہے، کبھی اہلِ کتاب سے، کبھی مومنین سے، کبھی منافقین سے، کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے، اور کبھی انسانیت سے۔

اگر مفسر مخاطب بدل دے تو آیت کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے۔

مثلاً "وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ"

یہ خطاب دفاع میں ہے، محض ابتدائی جنگ کا حکم نہیں۔

مخاطب پہچاننے سے آیت کی روح واضح ہوتی ہے۔

مقام—وہ جغرافیہ جہاں کلام بولا جاتا ہے

عربیت کے اصول کے مطابق جغرافیہ صرف نقشہ نہیں، بلکہ شعور اور فہم کا حصہ ہے۔ مکہ کا ماحول: پہاڑ، وادیاں، قریش کی طاقت، تجارت، قبائلی نظام، حرمتِ کعبہ—یہ سب مکی آیات کے معنی کا حصہ ہیں۔

مدینہ کا ماحول: قبیلوں کا اتحاد، یہودی قبائل، منافقین کی سیاست، زراعت، مدنی معاشرت—یہ سب مدنی آیات کے اندر شامل ہیں۔

اسی لیے مکی اور مدنی آیات لسانی و موضوعاتی فرق رکھتی ہیں۔

جو شخص ان دونوں ماحولوں کو ملا دے یا نظر انداز کرے، وہ قرآن کی اصل نیت سے دور ہو جاتا ہے۔

سیاق میں کلمات کے باہمی ربط کی حکمت

اہلِ عرب سیاق کو جملے کے اندر "ربط (cohesion)" اور جملوں کے درمیان "انسجام (coherence)" سے پہچانتے تھے۔ قرآن اسی اصول کو اعلیٰ ترین کمال کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مثلاً: جب قرآن "تقویٰ" کا لفظ لاتا ہے تو اس کے بعد ہمیشہ وہ اعمال لاتا ہے جو انسان کو خطاؤں سے بچاتے ہیں۔

جب "فسق" آتا ہے تو اس کے بعد اجتماعی فساد یا اخلاقی ٹوٹ پھوٹ کا ذکر ہوتا ہے۔

یہ ربط محض موضوعی نہیں بلکہ بیانیہ (narrative) کا ربط بھی ہے۔

آیات کا ایک سلسلہ چل رہا ہوتا ہے جو انسان کے شعور کو قدم بہ قدم آگے لے جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس ربط کو توڑ کر آیت کو اکیلے میں لے جائے تو وہ قرآن کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے۔

سیاق کے بغیر قرآن کی سب سے بڑی غلط فہمیاں

یہ وہ غلطیاں ہیں جن سے اہلِ زبان کے اصول بچاتے ہیں:

۱۔ ایک موقع کی آیت کو ہر زمانے کے لئے عام سمجھ لینا۔

۲۔ مخاطب کو بدل دینا (مثلاً منافقین کی آیات کو عام مسلمانوں پر چسپاں کرنا)۔

۳۔ تاریخی حالات کو نظر انداز کر دینا (مثلاً مکہ کی کمزوری کے دور کو مدنی طاقت کے اصولوں سے ملانا)۔

۴۔ آیت کے پہلے اور بعد کے ربط کو کاٹ دینا اور الگ مفہوم بنانا۔

۵۔ قرآن کو فقہی یا فلسفی سانچے میں ڈال کر اس کے بیانیہ مقصد کو کھو دینا۔

یہ تمام غلطیاں سیاق کو چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔

اس باب کا خلاصہ

سیاق قرآن کے معنی کی "عمارت" ہے۔

عرب کہتے تھے کہ کلام کو اس کا محل دے دو، معنی خود کھل جائے گا۔

قرآن کے معنی تب ہی روشن ہوتے ہیں جب آیت کے:

- زمانے
- مقام
- واقعات
- مخاطبین
- اور بیانیہ ربط

—سب کو ساتھ رکھ کر دیکھا جائے۔

سیاق کے بغیر قرآن کی تفسیر خواہ کتنی بھی علمی ہو، وہ اہلِ زبان کا فہم نہیں بنتی۔

باب سوم: محکم و متشابہ — قرآن کے دو طبقاتِ معنی کی لسانی حکمت

قرآن اپنے آپ کو ایک ایسی کتاب کہتا ہے جس میں آیات دو طرح کی ہیں : محکمات اور متشابہات۔

یہ تقسیم کوئی نظریاتی یا فقہی درجہ بندی نہیں بلکہ اہلِ عرب کی لسانی شعور کی تقسیم ہے۔
جاہلی عرب جانتے تھے کہ کلام کبھی بالکل واضح ہوتا ہے اور کبھی وہ معنی میں تہہ دار ہوتا ہے۔
یہ تہہ داری اشکال نہیں، بلاغت ہے؛ یہ ابہام نہیں، حکمت ہے۔

اہلِ زبان عرب کی نظر سے قرآن کی اس تقسیم کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ یہی وہ اصول ہے جسے نظر انداز کرنے سے برصغیر کے تفسیری رویوں میں شدید خلط پیدا ہوا۔ محکم کو متشابہ اور متشابہ کو محکم بنا دیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے مفاہیم، ہدایت کے اصول اور قضا و قدر کے تصورات تک بگڑ گئے۔

یہ باب قرآن کی اس بنیادی تقسیم کو لسانی، معنوی اور معرفتی سطح پر کھولتا ہے۔

محکم — وہ آیات جن کا معنی اپنی جگہ ثابت اور غیر متزلزل ہو

اہلِ زبان عرب کے نزدیک محکم وہ کلام ہے جس کا مفہوم سیاق کی ضرورت کے بغیر بھی واضح ہو جاتا ہے۔

محکم میں تین خصوصیات ہوتی ہیں:

۱۔ وضوح

لفظ اور اس کا مطلب فاصلہ نہیں رکھتے۔

مثلاً ''اَقِیمُوا الصَّلَاۃَ'' ایک ایسا حکم ہے جو عرب کے نزدیک کسی تلبیس کی گنجائش نہیں رکھتا۔

یہ واضح، سیدھا اور بلاواسطہ خطاب ہے۔

۲۔ ثبات

محکم کا معنی حال کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

''إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا''

یہ ایک ازلی اصول ہے۔ اس کا تعلق نہ غزوۂ بدر کے موقع سے ہے، نہ کسی خاص واقعہ سے۔

یہ کائناتی قانون ہے۔

۳۔ مقصدیت

محکم وہ آیات ہیں جو بنیادی ہدایت اور دین کے ستونوں کو بیان کرتی ہیں۔

عبادات، اخلاقیات، عدل، توحید، آخرت، انسانی ذمہ داری—یہ سب محکم کے تحت آتے ہیں۔

ابنِ عباس کہتے تھے:

''المحكم أمُّ الكتاب''

یعنی محکم آیات قرآن کے لیے ماں کی طرح ہیں—اصل مرکز، اصل بنیاد۔

متشابہ—وہ آیات جن میں معنی کی کئی تہیں، کئی سمتیں اور کئی امکانات ہوتے ہیں

متشابہ کا لفظ ''تشابہ'' سے ہے، یعنی ایک دوسرے سے مشابہ ہونا، ظاہری یا معنوی شبہ رکھنا۔

یہ ابہام نہیں بلکہ ''معنی کی وسعت'' ہے۔

اہلِ عرب کا اصول تھا کہ جب کلام میں تشابہ ہو تو اسے:

۱۔ اس کے محل

۲۔ اس کے سیاق

۳۔ اور اس کے مقابلے کی محکم آیات

کے تحت دیکھا جاتا ہے۔

متشابہ کی چند اقسام اہلِ عرب کے نزدیک یہ ہوتی ہیں:

۱۔ مجاز اور استعاراتی آیات

جیسے:

"یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ أَیْدِیهِم"

عرب جانتے تھے کہ یہ مجازی جملہ ہے۔

یہ ہاتھ کا جسمانی تصور نہیں دیتا بلکہ قدرت اور تسلط کا اظہار کرتا ہے۔

۲۔ غیب کے پردوں والی آیات

جیسے عالمِ ارواح، برزخ، ملائکہ، جنات، قیامت کے تفصیلی مناظر — یہ متشابہ ہیں کیونکہ انسان کا تجربہ ان پر براہِ راست دلالت نہیں کرتا۔

۳۔ پیچیدہ الفاظ یا کثیر المعانی الفاظ

عرب کی زبان میں ایک لفظ کے کئی درجے کے معانی ہوتے تھے۔ اگر آیت میں ایسا لفظ آئے جس کے کئی احتمالات ہوں تو وہ متشابہ شمار ہوتا ہے۔

محکم کو مرکز بنائے بغیر متشابہ کو سمجھنا گمراہی کی بنیاد ہے

قرآن نے خود اس کا اعلان کیا ہے کہ متشابہات کو محکمات کے ساتھ ملا کر سمجھو۔

برعکس صورت میں:

متشابہات ⟵ غلط فہمی ⟵ عقائد بگڑتے ⟵ فرقے بنتے

برصغیر میں اکثر لوگوں نے متشابہ آیات کو اصل اصول بنالیا اور محکم آیات کو ان کے تابع کر دیا۔

مثلاً:

"یُضِلُّ مَن یَشَاءُ" کی آیات کو محکم سمجھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ ہدایت اور گمراہی خدا کی مرضی ہے، انسان کی نہیں۔

جبکہ قرآن کی محکم آیت کہتی ہے:

"لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى"

انسان وہی پاتا ہے جس کی کوشش کرتا ہے۔

محکم اصل ہے، متشابہ اس کے تابع ہے۔

فرق اس مقصود کو نہ سمجھنے سے پڑتا ہے۔

اہلِ عرب نے محکم و متشابہ کو کیسے سمجھا؟

ا۔ قرآن کے اصولی قوانین ہمیشہ محکم ہوتے ہیں

عدل خدا کی صفت ہے، یہ محکم ہے۔

تو جو آیت کسی ایسے معنی کی طرف جائے جو عدل کے خلاف ہو، وہ محکم کی روشنی میں متشابہ قرار پاتی ہے۔

۲۔ جزوی آیات ہمیشہ محکم کے تابع ہوتی ہیں

کوئی بھی واقعہ پر مبنی آیت "کُلی اصول" کی تابع ہے، اس کا اصل معنی محکم اصول کے ساتھ جڑ کر ہی سمجھ میں آتا ہے۔

۳۔ متشابہات سے آزاد عقیدہ نہیں بنتا

اہلِ عرب تصدیق کرنے میں محکم کو لیتے تھے، تعمق کے لئے متشابہ کو۔

اعتقاد کی بنیاد کبھی بھی متشابہ پر نہیں رکھی جاتی۔

اس باب کی سب سے بڑی حکمت:

قرآن فہمی میں دھوکہ ہمیشہ متشابہات کے غلط استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔

مزاجِ وحی یہ ہے کہ انسان پہلے "ثابت اصول" پہچانے، یعنی محکمات، اور پھر متشابہات کو انہی اصولوں کی روشنی میں سمجھے۔

اہلِ عرب کے نزدیک متشابہ کو اکیلا لینا نہ صرف غیر علمی بلکہ غیر اخلاقی طرزِ تفسیر تھا۔ اسی لیے قرآن نے ان لوگوں پر پردہ ڈال دیا جو "فتنہ" کی نیت سے متشابہات کی پیروی کرتے تھے۔

باب چہارم: سیاقِ کلام — قرآنِ عربی کی اصل زبان میں فہم کا بنیادی اصول

قرآن ایک زندہ عربی زبان میں نازل ہوا، ایسی زبان میں جو فصاحت، معنوی گہرائی اور نحوی ساخت میں اپنے عروج پر تھی۔

اہلِ عرب کے نزدیک زبان کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ کسی بھی کلام کو اس کے سیاق کے بغیر سمجھنا علمی بددیانتی ہے۔

سیاق ان کے نزدیک نہ کوئی ثانوی اصول تھا اور نہ کوئی ذیلی قاعدہ؛ یہ خود معنی کی جان تھا۔

برصغیر کی تفسیری روایت میں سب سے زیادہ جس چیز کو نقصان پہنچا وہ یہی اصول ہے۔ آیات کو سیاق سے کاٹ کر عقائد بنائے گئے، فقہی نتائج نکالے گئے، اور الٰہی نظام کی روح کو مجزّی و منقطع کر دیا گیا۔

لہٰذا یہ باب وضاحت کرتا ہے کہ اہلِ عرب سیاقِ قرآن کو کیسے پڑھتے تھے، اور وہ فہمِ قرآن کے لیے کیوں ناگزیر ہے۔

سیاق کیا ہے؟ اہلِ عرب کی نظر میں

سیاق لفظی نہیں؛ جملے کا ماحول، پس منظر، اور وہ معنوی فضا ہے جس میں آیت کھڑی ہے۔

اہلِ عرب تین طرح کے سیاق کو لازم سمجھتے تھے:

۱۔ سیاقِ آیات

ایک آیت کا مفہوم اس سے پہلے اور بعد کی آیات کے ساتھ جڑ کر بنتا ہے۔

قرآن میں مفرد جملہ کبھی اکیلے کوئی حکم نہیں دیتا۔

معنی اس وقت پوری طرح کھلتا ہے جب پورا پیراگراف سامنے ہو۔

۲۔ سیاقِ سورہ

ہر سورہ کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے۔

وہ موضوع آیات کے معنی کا دائرہ متعین کرتا ہے۔

اس سے باہر جا کر کوئی آیت نہیں پڑھی جاتی۔

۳۔ سیاقِ نزولِ کتاب

قرآن ایک ایسی قوم اور زبان پر نازل ہوا جس کے محاورے، تہذیب اور فکری پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔

یہ پس منظر آیت کی حدود اور اس کے نقطۂ مقصد کو واضح کرتا ہے۔

یہ تینوں سیاق مل کر قرآن کی معنوی فضا تشکیل دیتے ہیں۔

سیاق سے کٹ کر قرآن پڑھنے کے کیا نقصانات ہوئے؟

اہلِ عرب کی سب سے بڑی تنقید یہ ہے کہ برصغیر میں قرآن کے مفاہیم کو جزوی آیتوں کی بنیاد پر سمجھا گیا۔

نتائج یہ نکلے کہ:

بعض لوگوں نے ہدایت اور گمراہی کو خدا کی جبری تقسیم سمجھ لیا۔

کچھ نے نصیب کو انسانی کوشش سے الگ سمجھ لیا۔

کچھ نے جہاد کی آیات کا محل بدلا اور انہیں عمومی نفسیات پر لاگو کیا۔

کچھ نے عذاب کی آیات کو ہر غیر مسلم پر چسپاں کر دیا۔

یہ تمام غلطیاں صرف اس وجہ سے ہوئیں کہ آیت کو سیاقِ آیات اور سیاقِ سورہ سے الگ سمجھا گیا۔

سیاقِ آیات: معنی کا اصل سانچہ

مثلاً آیت ہے:

"فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ"

اگر یہ آیت تنہا پڑھ لی جائے تو مطلب نکلتا ہے کہ ہدایت خدا کی مرضی ہے، انسان کا ارادہ کچھ بھی نہیں۔

لیکن جب اسے پورے سیاق میں پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ موضوع "انسانی انکار کے نفسیاتی اسباب" ہے، نہ کہ جبری تقدیر۔

اسی مقام پر قرآن نے انسانی اختیار کی آیات کو محکم کے طور پر رکھ دیا ہے۔

اہلِ عرب اسے "السیاق یحکم المعنی" کہتے ہیں، یعنی معنی کا حاکم سیاق ہے، نہ مترجم کا ذہن۔

سیاقِ سورہ: موضوعی وحدت کے بغیر معنی ادھورا رہتا ہے

ہر سورہ ایک بڑے مقصد کے تحت ترتیب دی گئی ہے۔

مثلاً سورۂ بقرہ معاشرتی، قانونی، اور ایمانی تربیت کی جامع کتاب ہے۔

اس کے اندر جنگ، عبادت، اخلاق اور فقہ پر آیات آتی ہیں مگر انہیں ایک ہی نظامی روح جوڑتی ہے۔

اگر کوئی ایک آیت پکڑ کر "نسخ" یا "جبر" یا "غضب" کا تصور قائم کرے تو یہ سورہ کے موضوع سے انحراف ہے۔

اہلِ عرب کے نزدیک سورہ کا موضوع معنی کی سمت طے کرتا ہے۔

سیاقِ نزول: زبان اور تہذیب کا فہم

قرآن عرب تہذیب اور اس کے شعری و خطابی معیار پر نازل ہوا۔

اگر کوئی شخص عرب کے محاورے، تشبیہات، الفاظ کے تاریخی استعمال اور عربی فصاحت کے نظام کو نہ سمجھے تو وہ آیت کے معنی کا صرف ہلکا سا سایہ پاتا ہے، اصل جوہر نہیں۔

مثلاً "قلب"، "صدر"، "ید"، "وجه"، "نور"، "ظلمت" — یہ سب عربی مزاج کے الفاظ ہیں۔

ان کے تہذیبی اور شعری مفاہیم کو سمجھے بغیر ترجمہ ہمیشہ ناقص رہتا ہے۔

اہلِ عرب کے نزدیک سیاق کا یکجا اصول

اہلِ عرب کا بنیادی اصول یہ تھا کہ قرآن کو صرف آیتوں کی قطار نہیں سمجھتے تھے بلکہ:

آیت لفظ سے بنتی ہے

مفہوم جملے سے بنتا ہے

معنی سیاق سے بنتا ہے

اور ہدایت پورے قرآن کے مجموعے سے بنتی ہے

لہٰذا کسی ایک آیت کا معنی اُس وقت تک پختہ نہیں ہوتا جب تک وہ:

سورہ کے موضوع

نبوّتی پیغام

اہلِ عرب کے لسانی نظام

اور قرآن کے کلی اصول

کے ساتھ نہ جڑ جائے۔

اہلِ عرب کے نزدیک سیاق کو توڑ کر معنی لینا تحریفِ معنوی کے مترادف ہے

ایک عرب فصیح یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی شخص ایک آیت اٹھا کر پوری شریعت یا عقیدہ بنادے۔

یہ طریقہ ان کے نزدیک ''قطع النص ''یعنی ''کلام کو کاٹ دینا'' تھا۔

کلامِ الٰہی کو کاٹنا کلامِ الٰہی کا سب سے بڑا ظلم تھا۔

اسی وجہ سے قرآن نے فرمایا:

''أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ''

تدبر کے بغیر قرآن پڑھنا قرآن سے جفا کرنا ہے۔

اس باب کی بنیادی حکمت

قرآن فہمی کا اصل دروازہ سیاق ہے۔

جو شخص سیاق کے بغیر قرآن کو پڑھے گا وہ الفاظ پڑھے گا مگر پیغام کھو دے گا۔

اہلِ عرب کے نزدیک قرآن کے معنی وہی سمجھ سکتا ہے جو لفظ، جملہ، آیت، اور سورہ—چاروں کو ایک ساتھ دیکھے۔

باب پنجم: قرآن کے اسالیبِ بیان (Modes of Discourse) کو سمجھنے کے اصول

قرآن کی زبان عرب کے فصیح اور بلند ادبی معیار کی زبان ہے۔ لیکن قرآن کا اسلوب صرف شعرائے عرب یا خطباء کی فصاحت پر قائم نہیں بلکہ اس کی وحیانی ساخت میں ایسے بیانیاتی تنوعات پائے جاتے ہیں جو اگر سمجھے نہ جائیں تو آیت کے معانی بگڑ جاتے ہیں۔ اہلِ زبانِ عرب (قریش و اہلِ حجاز) قرآن کو انہی بیانیاتی اقدار کے ساتھ سمجھتے تھے۔ لہٰذا قرآن فہمی کے اصولوں میں ایک بنیادی باب قرآن کے اسالیبِ بیان کی صحیح پہچان ہے۔

یہ باب پانچ بنیادی ابواب کے بعد بنیادی ترین مقام رکھتا ہے، اور اس کے بغیر قرآن کے معانی اپنی اصل وسعت کے ساتھ منکشف نہیں ہوتے۔

1. قرآن کا کثیر الاسلوب ہونا

قرآن ایک مخصوص سیدھے بیانیے پر نہیں چلتا۔ مختلف مقامات پر قرآن کا انداز، قوتِ استدلال، لہجہ اور طرزِ خطاب بدلتا ہے۔ یہی تنوع قرآن کی تاثیر، حجت اور ہدایت کو ہمہ گیر بناتا ہے۔

اہلِ عرب ان تغیرات سے مانوس تھے، کیونکہ ان کی بدوی، شہری، جنگی، تجارتی، شاعرانہ اور خطیبانہ زندگی میں کلام کا اسلوب موقع کے مطابق بدلتا رہتا تھا۔ اس لیے قرآن نے بھی انہی اصولوں پر خطاب کیا۔

قرآن میں بنیادی طور پر یہ اسالیب پائے جاتے ہیں:

1. اسلوبِ قصص (Narrative)

اقوامِ سابقہ، انبیاء اور واقعات کا بیان۔

اس کا مقصد محض تاریخ سنانا نہیں بلکہ عبرت، حجت اور نفسیاتی اصلاح ہے۔

اسلوب میں تکرار، اختصار اور کبھی اجمال استعمال ہوتا ہے، جیسا عرب میں قصہ گو تبدیلیِ ترتیب کے ساتھ بیان کرتا تھا تاکہ مقصد زیادہ واضح ہو۔

2. اسلوبِ احتجاج (Polemic & Argumentation)

باطل عقائد، مشرکانہ اعتراضات، منافقین کے شبہات اور اہل کتاب کی غلط تاویلات کے ردّ میں دلیل قائم کرنا۔

یہ اسلوب کبھی سوال، کبھی تنبیہ اور کبھی الزامِ محال کے ذریعہ حجت مکمل کرتا ہے۔

3. اسلوبِ خطاب (Direct Address)

قرآن کا کلام کبھی:

- نبیؐ سے خطاب
- اہلِ ایمان سے خطاب
- کافروں سے خطاب
- منافقین سے خطاب
- انسانیت سے خطاب
- عقل و فطرت سے خطاب

کے طور پر بدلتا رہتا ہے۔

ہر خطاب کے اپنے لوازم، لہجے اور قواعد ہیں۔

4.اسلوبِ امر و نہی(Prescriptive)

شرعی احکام جہاں بیان ہوتے ہیں وہاں اسلوب حکم دینے، منع کرنے، روکنے، اجازت دینے یا رخصت دینے کا ہوتا ہے۔

اس اسلوب میں:

- اختصار
- دلالتِ التزام
- علت کی طرف اشارہ
- آیت کے اندر حکمت کی رمزیت

پائی جاتی ہے۔

5.اسلوبِ تمثیل(Analogical Imagery)

تشبیہ و استعارات کے ذریعے معانی کو روح میں اتارا جاتا ہے۔

عرب کے ہاں تمثیلی خطابت حقیقت تک پہنچنے کا موثر ترین ذریعہ تھی۔

قرآن میں روشنی و اندھیرا، کھیتی و بارش، دلوں کی بیماری، اعمال کا دھواں، دنیا کی تجارت—یہ سب اسی اسلوب کے مظاہر ہیں۔

6.اسلوبِ تہدید و تبشیر(Warning & Glad Tiding)

ایک طرف جہنم کا بیان (تہدید)

دوسری طرف جنت اور رحمت کا بیان (تبشیر)

یہ دونوں قرآن کے بیانیاتی توازن کو ظاہر کرتے ہیں۔

عرب کے خطباء نے بھی وعظ و انذار کو دو پہیوں کی طرح استعمال کیا۔

.7اسلوبِ قسم (Oath Discourse)

قرآن میں قسمیں ایک طاقتور بلاغی آلہ ہیں۔

عرب تہدید، تاکید اور ذہن کو متوجہ کرنے کے لیے قسم استعمال کرتے تھے۔ قرآن میں قسم کبھی مخلوق کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اور کبھی مضمون کی تاکید کے لیے ہوتی ہے۔

.8اسلوبِ استفہام (Interrogative Style)

یہ اسلوب پوچھنے کے لیے نہیں بلکہ:

- ناکارہ اعتراض رد کرنے
- عقل کو جھنجھوڑنے
- انکار کرنے
- تصدیق دِلانے
- شک رفع کرنے
- حجت قائم کرنے

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

"أفلا تعقلون (امجد علوی)"

"أتأمرون الناس بالبر (امجد علوی)"

"هل من خالقٍ غیر الله (امجد علوی)"

یہ استفہام انکاری، تقریري، تعجبی، توبیخی، تقریعی سب شامل کرتا ہے۔

.9اسلوبِ التفات(Shift in Pronoun & Perspective)

اہلِ عرب کے نزدیک التفات زبان کا حسن تھا۔

قرآن میں کبھی:

- غائب سے خطاب
- خطاب سے غائب
- واحد سے جمع
- جمع سے واحد

کا بدلنا معنی کو مضبوط کرتا ہے۔

یہ اسلوب غیر عربوں کے لیے مشکل مگر اہلِ زبان کے نزدیک بہت واضح تھا۔

.10اسلوبِ ایجاز و اطناب(Conciseness and Expansion)

قرآن کبھی بہت مختصر جملے میں گہرا معنی رکھتا ہے (ایجاز)

اور کبھی بسط و تفصیل سے مفہوم کھول دیتا ہے (اطناب)

مثلاً:

ایجاز: ''وَالضُّحٰی''

اطناب: سورۂ نور کی آیتِ نور۔

.2 اصول: ہر اسلوب اپنی جگہ مکمل معنی رکھتا ہے

اہلِ زبان کا اصول تھا کہ کلام کا ہر اسلوب اپنی مخصوص دلالت رکھتا ہے۔

لہٰذا قرآن میں کسی اسلوب کو دوسرے اسلوب کی جگہ پر زبردستی فٹ کرنا غلط ہے۔

مثلاً قصص کے اسلوب کو فقہی آیت کی طرح نہ پڑھا جائے۔

یا تمثیل کے اسلوب کو فلسفی قضیہ نہ سمجھ لیا جائے۔

.3 اصول: سیاق و سباق طبقہِ خطاب کے مطابق سمجھنا

اہلِ عرب سیاق کو یوں سمجھتے تھے:

- کلام جس مخاطب سے ہے، وہ معنی بدل دیتا ہے۔
- ایک ہی جملہ کسی اور قبیلے یا کسی اور موقع پر مختلف معنی رکھ سکتا ہے۔
- لہٰذا قرآن میں خطاب کا تعین ضروری ہے۔

مثلاً ''کافر'' کا لفظ ہمیشہ ایک ہی معنیٰ نہیں رکھتا۔

کبھی مشرکینِ حجاز

کبھی یہود

کبھی منافقین

کبھی عام منکرینِ معاد

اور کبھی ایک خاص صنفِ منکرین مراد ہوتی ہے۔

.4 اصول: قرآن کے اسلوب کو شعر یا فلسفے پر قیاس نہ کرنا

قرآن کا اسلوب اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد ہے۔

اہلِ عرب اسے نہ شاعری کہتے تھے، نہ فلسفہ، نہ منطق کی کتاب۔

اسے ''کلامٌ یعلو ولا یُعلیٰ علیہ'' کہا گیا۔

لہٰذا نہ اسے فارسی صوفیانہ اسالیب میں سمجھنا درست ہے، نہ یونانی منطق کی کسوٹی سے ناپنا۔

.5 اصول: قرآن کے اسالیب کی رعایت عقیدہ و فقہ کے استنباط میں ضروری ہے

حکم ہو تو اسلوب امر کی دلالت

قصہ ہو تو مقصد عبرت

تمثیل ہو تو اصل حکم حقیقت

تہدید ہو تو اخلاقی تربیت

وعدہ ہو تو روحانی ثبات

تفصیل ہو تو قانون

ایجاز ہو تو بلاغت کے مطابق معنی

استفہام ہو تو علتِ استفہام

کو سامنے رکھ کر حکم یا عقیدہ نکالا جائے۔

یہی اہلِ زبان کا اسلوب تھا۔

.6 اصول: قرآن کا اسلوب "تربیتِ نفس" کے لیے ہے، محض اطلاع کے لیے نہیں

قرآن کا کوئی جملہ معلوماتی اسلوب میں نہیں آتا۔

ہر اسلوب ایک مقصد رکھتا ہے:

- تزکیہ
- تذکیر
- تعظیم
- تقویٰ
- اصلاح نفس
- دعوت
- انذار
- بشارت
- حجت

لہٰذا تفسیر بھی اسی مقصدی اسلوب کے مطابق ہو گی۔

باب ششم : قرآن کے حقیقی اور مجازی معانی (Literal & Figurative Meanings) کے اصول

قرآن میں کلمات کبھی حقیقی (literal) اور کبھی مجازی (figurative/ metaphorical) معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک یہ فرق کرنا فہمِ قرآن کی بنیاد ہے۔ برصغیر کی اکثر تفسیری روایتیں اسی پہلو کو نظر انداز کر گئیں جس کی وجہ سے آیات کے مفاہیم میں تضاد اور مغالطہ پیدا ہوا۔ اس باب میں قرآن کے حقیقی اور مجازی معانی کے اصول بیان کیے جاتے ہیں تاکہ اہلِ زبان کے مطابق فہمِ قرآن قائم رہے۔

1. حقیقی معنی (Literal Meanings)

حقیقی معنی وہ ہیں جو لفظ کے ظاہری لغوی معنی اور قواعدِ عربی کے مطابق ہوتے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک حقیقی معنی کی تین خصوصیات ہیں:

1. وضاحت: لفظ کا مفہوم بلاواسطہ سمجھ آتا ہے۔
2. ثبات: معنی وقت، جگہ اور مخاطب سے متاثر نہیں ہوتا۔
3. اعمالِ لغوی کے مطابق: جملے کی ترتیب، فعل، اسم اور حروفِ جار کے لحاظ سے معنی واضح ہو۔

مثال:

"اقیموا الصلاۃ"

یہ حکم عبادت کے حقیقی معنی میں ہے۔

یہ کسی تمثیل، استعارات یا فلسفیانہ تشبیہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔

.2 مجازی معنی (Figurative/ Metaphorical Meanings)

مجازی معنی وہ ہیں جو لفظ کے حقیقی معنی سے مختلف ہوتے ہیں لیکن سیاق، مخاطب، اور قرائن کے مطابق نکلتے ہیں۔

اہلِ عرب اس کو مجاز بلاغت (majaz balagha) کہتے تھے اور اسے فہم کی اعلیٰ سطح سمجھا جاتا تھا۔

خصوصیات مجازی معنی:

1. تشبیہ و استعارات:

الفاظ کا حقیقی معنی نہیں، بلکہ کسی اور تصور کی عکاسی ہے۔

مثال:

"ید اللہ فوق ایدیھم"

حقیقی ہاتھ نہیں، بلکہ قدرت، تسلط اور کفایت کا اظہار ہے۔

2. غیر محسوس مظاہر کا بیان:

جیسے برزخ، قیامت، ملائکہ، جنات—یہ انسانی مشاہدے سے باہر ہیں، لہٰذا مجازی یا علامتی بیان کے ذریعہ دکھائے گئے۔

3. سیاق اور محکم آیات کی بنیاد پر:

متشابہات اور مجاز ہمیشہ محکم اصول کے ساتھ سمجھے جاتے ہیں۔

مثال:

''اللہ یضل من یشاء''

محکم آیت:''لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی''

تو یہاں گمراہی انسان کی کوتاہی کے نتیجے میں ہے، نہ محض الٰہی فیصلہ۔

3. مجازی اور حقیقی میں امتیاز کے اصول

اہلِ عرب کے مطابق، یہ امتیاز فہم کے لیے لازمی ہے:

1. سیاق پر غور:

آیت کس سورہ میں ہے؟ مخاطب کون ہے؟ زمانہ کیا ہے؟

2. محکم آیات کی روشنی:

کسی مجازی معنی کی بنیاد محکم آیات پر ہونی چاہیے۔

یہ فقہی، عقلی اور اخلاقی تضاد کو روکتا ہے۔

3. عرب کے ادبی معیار:

عرب کی زبان میں الفاظ کے استعمال، تشبیہات، اور بلاغت کی قواعد سے مجازی معنی کا تعین ہوتا ہے۔

بغیر علمِ لغت کے، مجازی معنی خراب ہو سکتے ہیں۔

4. قرائنِ نزول:

سببِ نزول یا تاریخی پس منظر بھی مجازی اور حقیقی معنی کے امتیاز میں مددگار ہوتا ہے۔

4. مجازی معنی کے اہم فوائد

1. الٰہی صفات کا فہم:

مثلاً، اللہ کے ہاتھ، آنکھ، جسمانی صفات نہیں بلکہ قدرت، علم اور مشیت کا اظہار ہیں۔

2. غیب کا تصور:

جنات، فرشتے، برزخ—ان سب کی وضاحت علامتی یا مجازی بیان سے ہوتی ہے تاکہ فہمِ عقل کے مطابق ہو۔

3. اخلاقی اور تربیتی اثر:

مثال:

"نور علی نور"

حقیقی نہیں بلکہ علم و ہدایت کی روشنی کی علامت ہے، جو انسانی دل میں اثر ڈالتی ہے۔

4. استدلال کی توسیع:

مجازی معنی استدلال، فکر اور عقل کو تحریک دیتے ہیں تاکہ انسان قرآن کو محض لفظی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرے۔

5. مجازی معنی کی غلط فہمیاں

برصغیر کی بعض تفسیری روایتوں نے مجازی اور حقیقی معنی کو تبدیل کر دیا:

- حقیقی معنی کو مجاز سمجھ لیا

- مجازی معنی کو حقیقی حکم بنادیا
- محکم اصول کو چھوڑ کر متشابہ آیات پر عقیدہ قائم کیا

اس کے نتیجے میں:

- تقدیر کے غلط تصورات
- جہاد، عدل اور اخلاق کے بگاڑ
- عقائد میں تضاد
- فرقہ واریت اور اجتہادی اختلافات

پیدا ہوئے۔

.6 اصولِ خلاصہ

1. حقیقی معنی وہ ہیں جو لغوی، نحوی اور سیاق کے مطابق ہیں۔
2. مجازی معنی وہ ہیں جو سیاق، قرائن، محکم آیات اور عربی بلاغت کے مطابق بنتے ہیں۔
3. کسی بھی آیت کا مطالعہ حقیقی اور مجازی دونوں زاویوں سے ہونا چاہیے۔
4. مجازی معنی محکم اصول کے بغیر کبھی عقیدہ کی بنیاد نہیں بنتے۔
5. اہلِ عرب کے اصول پر فہمِ قرآن اسی وقت درست ہوگا جب ہر لفظ، ہر جملہ، اور ہر آیت اس امتیاز کے مطابق پڑھا جائے۔

باب ہفتم: قرآن میں عقل واستدلال کی بنیادیں (Reasoning & Rational Foundations in the Qur'an)

اہلِ زبان عرب کے نزدیک قرآن کا ہر آیت، ہر لفظ اور ہر حکم صرف اطاعت یا معلومات کے لیے نہیں آیا، بلکہ انسانی عقل کو روشنی دینے، استدلال کی قوت بڑھانے اور فکر و تدبر کی تربیت کرنے کے لیے نازل ہوا۔ اس باب میں اہلِ عرب کے نقطۂ نظر کے مطابق برصغیر کی روایات سے مختلف قرآن فہمی کی بنیادوں کو واضح کیا جاتا ہے۔

1. عقل قرآن کی بنیاد ہے

قرآن بارہا انسانوں سے کہتا ہے: ''أفلا تعقلون'' یعنی کیا تم نہیں سوچتے؟

اہلِ عرب کے نزدیک یہ فرمان صرف ظاہری سوچ نہیں بلکہ استدلالی سوچ ہے۔ یہ سوچ صرف کلمات کو پڑھنے یا سنت سننے پر نہیں بلکہ:

- الٰہی حکمت کو سمجھنے
- محکمات و متشابہات میں تمیز کرنے
- انسانی اعمال اور ان کے نتائج پر غور کرنے
- اور عملی اخلاق و فقہ میں عقل استعمال کرنے

کے لیے لازمی ہے۔

قرآن عقل کے ساتھ ہم آہنگ ہے اور ہر آیت کا مقصد صرف عمل یا اعتقاد نہیں بلکہ فکر و تدبر ہے۔

.2 استدلال کی تین سطحیں

الف: لغوی و نحوی استدلال

اہلِ عرب کے نزدیک الفاظ اور جملوں کا دقیق مطالعہ استدلال کی پہلی سطح ہے۔
یہ سطح حقیقی اور مجازی معنی کو الگ کرنے، سیاق و سباق کے مطابق معنی نکالنے اور محکم و متشابہ کی تمیز کے لیے لازمی ہے۔

ب: منطقی استدلال

قرآن میں ہر حکم یا بیان منطقی بنیاد پر رکھا گیا ہے:

- انسانی اعمال کے نتائج
- اخلاقی اصول
- سماجی نظم
- عدل و انصاف

یہ سب اصول عقل اور تجربے سے مطابقت رکھتے ہیں۔

مثال:

''لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا''

یہ محکم اصول عقل سے مطابقت رکھتا ہے: ہر انسان اپنی طاقت کے مطابق ذمہ دار ہے۔

ج: تجزیاتی استدلال

قرآن قاری سے کہتا ہے کہ:

- تاریخ سے عبرت حاصل کرو
- معاشرتی و نفسیاتی رجحانات کا مطالعہ کرو
- دلیل و برہان کو پہچانو
- اعمال کی کیفیت اور نتائج پر غور کرو

یہ استدلال برصغیر کے عام رویے کے برعکس ہے، جہاں اکثر عقیدہ صرف روایت پر مبنی ہوتا ہے۔

3. قرآن کے ذریعے عقل کی تربیت

الف: غور و تدبر کی دعوت

قرآن بارہا انسان سے کہتا ہے:

- زمین میں پھر کر دیکھو
- آسمان کے نظام پر غور کرو
- اپنی زندگی اور اعمال کا تجزیہ کرو
- عبرت کے لیے مخلوقات کا مطالعہ کرو

یہ دعوت محض ظاہری مطالعہ نہیں بلکہ عقل کی فعال تربیت ہے۔

ب: سوال و جواب کا طریقہ

قرآن استفہام، مناظرے، اور احتجاج کے ذریعے عقل کو فعال کرتا ہے:

- ''أم حسبتم أنما خلقناكم عبثا''
- ''أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها''

یہ قاری کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں، اور غیر سوچنے والے کو تنبیہ کرتے ہیں۔

ج: انسانی کوشش اور اختیار کی اہمیت

قرآن واضح کرتا ہے کہ:

''إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم''

یعنی انسان اپنی اصلاح اور کوشش کے بغیر تقدیر نہیں بدلتا۔

یہ اصول استدلال کی بنیاد ہے، جو برصغیر کے بعض علماء نے ''صرف الٰہی مرضی'' کے فہم میں غلط طریقے سے سمجھا۔

4. عقل اور ایمان کی ہم آہنگی

اہلِ عرب کے نزدیک ایمان صرف دل کے اطمینان یا زبانی کلمہ نہیں بلکہ عقل کے استعمال کے ساتھ پختہ یقین ہے۔

استدلال کے بغیر ایمان جزوی اور ناقص رہتا ہے۔ برصغیر میں اکثر ایمان اور عقل کو علیحدہ سمجھا گیا، جبکہ قرآن میں دونوں ایک دوسرے کے تکمیل کنندہ ہیں:

- ایمان بغیر تدبر خطرناک ہو سکتا ہے
- عقل بغیر ایمان رہنمائی نہیں دے سکتی

5. فرقہ واریت اور عقل کا تعلق

قرآن اور اہلِ عرب کا اصول یہ ہے کہ عقل کے بغیر متشابہات پر مبنی عقائد فرقہ بندی کو جنم دیتی ہیں۔

برصغیر میں فرقہ بندی کی بنیادی وجہ:

- متشابہات کو محکم کے بغیر سمجھنا
- سیاق و سباق کو نظر انداز کرنا
- استدلال اور غور کو ترک کرنا

یہی وجہ ہے کہ قرآن عقل کو ہر سطح پر بنیاد قرار دیتا ہے۔

6. عملی نتیجہ

1. ہر آیت پر غور و تدبر عقل کو فعال کرے۔
2. استدلال اور تجربے کی روشنی میں عقائد کی تصدیق کی جائے۔
3. فرقہ واریت، روایت پر اندھا یقین اور محض تقلید سے بچا جائے۔
4. محکمات کے اصول کے ساتھ متشابہات کا فہم یقینی بنایا جائے۔
5. ہر مسلمان قرآن کو عقل کے ساتھ سمجھے، تاکہ ایمان پختہ اور علمی ہو۔

اس باب کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ قرآن کے معانی اور احکام کا درست فہم انسان کی عقل اور استدلال کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اور اس کے بغیر قرآن فہمی صرف جزوی اور غلطی پر مبنی رہ جاتی ہے۔

باب ہشتم: قرآن کی تعلیمات اور انسان کی ذاتی و اجتماعی ذمہ داریاں

اہلِ عرب کے مطابق قرآن کا مقصد صرف عبادات یا عقائد کی تفصیل بیان کرنا نہیں بلکہ انسان کی ذاتی تربیت اور اجتماعی ذمہ داریوں کو واضح کرنا ہے۔ اہلِ زبان کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن فہمی کا یہ باب برصغیر کے اصولوں سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ یہاں قرآن کو زندہ زندگی کے عملی فریم ورک کے طور پر سمجھا جاتا ہے، نہ کہ محض کتابی یا فقہی متن کے طور پر۔

.1 ذاتی ذمہ داریاں

الف: خود شناسی اور اصلاح نفس

قرآن میں انسان کو بارہا اپنی فطرت، دل اور اعمال کی جانچ کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

- ''ألا بذكر الله تطمئن القلوب''
- ''إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم''

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ انسان کی ذاتی اصلاح اس کے اختیار اور کوشش پر منحصر ہے۔
اہلِ عرب کے نزدیک عبادت صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ نفس کی تزکیہ، اخلاق کی تربیت، اور فکر کی ترقی ہے۔

ب: علم و تدبر کی ذمہ داری

قرآن عقل، تدبر اور استدلال کے بغیر عبادات اور عقائد کو قبول نہیں کرتا۔
ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے، سوال کرے، غور کرے اور معانی کو سمجھے۔
یہی وہ فرق ہے جو برصغیر کی روایت میں اکثر نظر انداز کیا گیا۔

ج: کردار کی مکمل ذمہ داری

قرآن ہر انسان کو اس کے اعمال اور نتائج کا ذمہ دار قرار دیتا ہے:

- اچھائی کرے تو جزا
- برائی کرے تو نقصان
- گمراہ ہو تو اس کی اپنی کوتاہی

یہ اصول انسان کو فعال عامل بناتا ہے، نہ کہ محض غیر فعال متوقع مخلوق۔

.2 اجتماعی ذمہ داریاں

الف: عدل و انصاف

قرآن بارہا معاشرت میں عدل، مساوات اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ صرف قانونی یا ریاستی اصول نہیں بلکہ انسانی رویوں اور تعلقات کی بنیاد ہے۔

ب: تعاون اور اخلاقی معاشرت

قرآن انسانوں کو تعاون، خیرات، اور معاشرتی ذمہ داریوں کی تلقین کرتا ہے:

- یتیموں کے حقوق
- محتاجوں کی کفالت
- معاشرتی انصاف
- ظلم و جبر کی ممانعت

یہ اصول اہلِ عرب کے نزدیک انسانی معاشرت کے بنیادی ڈھانچے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ج: استدلال اور اختلافات کا حل

قرآن میں عقل و تدبر کے استعمال سے اختلافات کو حل کرنے کی ترغیب ہے:

- محکم آیات پر مبنی دلائل
- متشابہات کو عقل کے ساتھ سمجھنا
- مشورہ اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اختلافی مسائل کو عقل اور استدلال کے دائرے میں رکھا گیا ہے، تاکہ فرقہ واریت کم ہو اور معاشرہ متوازن رہے۔

3. ذاتی و اجتماعی ذمہ داری کا تعلق

اہلِ عرب کے نقطۂ نظر میں ذاتی اور اجتماعی ذمہ داریاں الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں:

- نفس کی اصلاح ← معاشرت کی اصلاح
- علم و تدبر ← عدل و انصاف کی ضمانت
- کردار کی تربیت ← تعاون اور خیرات کی بنیاد

یہ سلسلہ قرآن کی جامع ہدایت کو ظاہر کرتا ہے، جو انسان کو فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے رہنما بناتا ہے۔

4. عملی نتیجہ

1. ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کے احکام اور تعلیمات کو صرف لفظی طور پر نہ سمجھے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرے۔
2. ذاتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے بغیر معاشرت میں انصاف اور تعاون ممکن نہیں۔
3. عقل و استدلال کو استعمال کرتے ہوئے اختلافات کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔
4. قرآن کے تعلیمات کو عملی زندگی میں نافذ کرنا ایمان کی مکمل شرط ہے۔
5. فرقہ واریت، تقلید اور محض روایت پر عمل کرنے والے مسلمان قرآن کے حقیقی مقصد سے دور رہ جاتے ہیں۔

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن فہمی کے حقیقی اصول کے مطابق:

- انسان کی ذاتی اور اجتماعی ذمہ داریاں عقل، تدبر اور استدلال کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔
- عمل اور فکر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔
- قرآن کی تعلیمات صرف روحانی یا ظاہری اعمال تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتی ہیں۔

باب نہم: قرآن کی محکم اور متشابہ آیات کا اصول اور درست فہم

(Principles of Muhkam and Mutashabih Verses in the Qur'an)

اہلِ عرب کے مطابق قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ اپنی جگہ معنی خیز ہے۔ بعض آیات محکم ہیں، یعنی واضح اور لغوی معنی میں قطعی ہیں، اور بعض آیات متشابہ ہیں، یعنی معنی میں رموز و اشارات رکھتی ہیں اور سیاق و سباق کے بغیر صحیح فہم ممکن نہیں۔ بر صغیر میں اکثر مسلمان متشابہات کو محکم سمجھ کر یا برعکس سمجھ کر غلط عقائد قائم کر بیٹھے، جبکہ اہلِ زبان کے اصول بہت واضح ہیں۔

1. محکم آیات (Clear, Definitive Verses)

خصوصیات محکم آیات:

1. وضاحت: لغوی اور نحوی معنی بالکل واضح ہیں۔
2. ثبات: معنی زمانہ، جگہ یا مخاطب سے متاثر نہیں ہوتے۔
3. حجت کا معیار: محکم آیات استدلال، فقہ، اور عقیدہ کے لیے بنیاد ہیں۔

مثالیں:

- احکام و عبادات:

"أقيموا الصلاة و آتوا الزكاة"

اس آیت کا مطلب ہر مسلمان کے لیے قطعی ہے اور کسی مجاز یا فلسفیانہ تاویلات کی ضرورت نہیں۔

- انسانی اعمال کے نتائج:

"لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ"

واضح اور محکم اصول ہے کہ انسان کی کوشش ہی اس کے نتائج کی بنیاد ہے۔

2. متشابہ آیات (Ambiguous / Symbolic Verses)

خصوصیات متشابہ آیات:

1. مجاز ورموز پر مشتمل : حقیقت کے ساتھ استعارات اور علامات کی صورت میں بیان کی گئی۔
2. سیاق وسباق پر منحصر : آیت کے حقیقی معنی کے لیے محکم آیات اور تاریخی یا معاشرتی سیاق ضروری ہے۔
3. اعتراضات یا فکر انگیز بیان : عقل کو استعمال کرنے اور غور و تدبر کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

مثالیں:

- اللہ کے ہاتھ، آنکھ یا رخ:

حقیقی جسمانی صفات نہیں، بلکہ قدرت، علم اور اختیار کا اظہار ہے۔

- قیامت، عذاب وجنت:

انسانی تجربے سے باہر ہیں، اس لیے علامات اور تشبیہات کے ذریعہ بیان ہوئے۔

.3 اصول: محکم اور متشابہ کو الگ کرنا

اہلِ عرب کے مطابق قرآن فہمی میں سب سے اہم اصول یہی ہے:

1. متشابہات کو محکمات کے ساتھ دیکھنا:

متشابہ آیات کے معانی ہمیشہ محکم اصول کے ساتھ منسلک کرنے سے صحیح سمجھ آتے ہیں۔

2. تفسیر متشابہات بغیر محکم اصول کے ممنوع:

متشابہ آیات کی بنیاد پر عقائد قائم کرنا غلط فہمی اور فرقہ بندی کی وجہ بنتی ہے۔

3. سیاق وسباق کی رعایت:

تاریخی، معاشرتی، لغوی، اور بلاغتی سیاق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

.4 متشابہ اور محکم آیات کی عملی مثال

آیت'': اللہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء''

اگر صرف اس کو دیکھا جائے تو اللہ کی مرضی کو مطلق سمجھ کر انسان کی کوشش کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

محکم آیت کے مطابق'': لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ''

یہ آیت انسان کی کوشش اور اعمال کو بنیاد قرار دیتی ہے۔

نتیجہ: اللہ کی ہدایت اور گمراہی انسانی کوشش اور فطرتی استعداد کے مطابق ہے۔

یہی اصول اہلِ عرب کے قرآن فہمی کا بنیادی معیار ہے۔

.5 فرقہ واریت سے بچاؤ

محکم اور متشابہ آیات کی درست تمیز:

1. عقائد میں تضاد پیدا نہیں ہونے دیتا۔
2. متشابہات کی بنیاد پر الزام، تکفیر، یا حد بندی کا سبب نہیں بنتا۔
3. عقل اور استدلال کے دائرے میں اختلافات کو محدود کرتا ہے۔

.6 خلاصہ اصول

1. قرآن کی ہر آیت اپنی نوعیت میں یا محکم ہے یا متشابہ۔
2. متشابہ آیات کا فہم محکم آیات اور سیاق وسباق کے بغیر درست نہیں۔
3. محکم آیات استدلال، عقیدہ، اور احکام کی بنیاد ہیں۔
4. متشابہات عقل و تدبر کے ساتھ سمجھی جائیں تو انسانی فکر اور اخلاق کی تربیت کرتی ہیں۔
5. اہلِ عرب کا اصول : محکم اصول کے بغیر متشابہ پر ایمان قائم نہیں ہوتا۔

باب دہم: قرآن کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے اصول (Moral and Spiritual Guidance in the Qur'an)

اہلِ عرب کے مطابق قرآن کا مقصد محض عبادات اور عقائد کی تعلیم نہیں بلکہ انسان کی اخلاقی اور روحانی تربیت ہے۔ بر صغیر کی اکثر تفسیری روایات نے قرآن کو صرف ظاہری قوانین تک محدود کر دیا، جبکہ اہلِ زبان کے اصول یہ ہیں کہ قرآن ہر انسان کو اخلاق و تربیت کے لیے خود سے مکالمہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

1. نفس کی تزکیہ اور روحانی اصلاح

قرآن انسان کی ذاتی اصلاح کو اولین مقام دیتا ہے:

- انسان کے دل، عقل اور جذبات کی تربیت ضروری ہے۔
- ہر آیت انسان کو غور و فکر کے ذریعے اپنے نفس پر قابو پانے اور اصلاح کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

مثال:

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا"

یعنی جو اپنی نفس کو پاک کرے، وہ کامیاب ہے۔

اہلِ عرب کے نزدیک یہ آیت انسان کو عملی اصلاح کی جانب راغب کرتی ہے، نہ کہ محض نظریاتی یقین تک محدود رکھتی ہے۔

2. اخلاقی اصول اور معاشرتی تعلقات

الف: عدل اور انصاف

قرآن معاشرت میں انصاف، مساوات اور عدل قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے:

- ظالم یا جابر سے اجتناب
- یتیموں اور محتاجوں کے حقوق کا خیال
- معاشرتی تعلقات میں ایمانداری اور شفافیت

یہ تعلیمات انسان کے اخلاقی کردار کی بنیاد ہیں، اور معاشرہ کے استحکام کے لیے لازمی ہیں۔

ب: احسان و تعاون

قرآن انسان کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ:

- دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرے
- احسان اور تعاون کو فروغ دے
- برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ اخلاق اور حکمت سے حل کرے

اہلِ عرب کے نزدیک یہ اصول انسان کی ذاتی اخلاقی تربیت اور اجتماعی تعلقات دونوں کے لیے لازمی ہیں۔

3. روحانی استقامت اور صبر

قرآن انسان کو مشکلات اور مصائب میں صبر کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دیتا ہے:

- صبر کے ذریعے روحانی پختگی حاصل ہوتی ہے
- مشکلات کو عقل و تدبر کے ساتھ حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے
- ایمان مضبوط اور استقامت پانے والا انسان معاشرتی بحرانوں میں بھی قابلِ اعتماد رہتا ہے

.4 تدبر و غور کے ذریعے تربیت

اہلِ عرب قرآن کو عملی تربیت کا ذریعہ سمجھتے تھے، نہ کہ محض حفظ و تلاوت کا:

- ہر آیت انسان کے دل و دماغ میں سوال پیدا کرتی ہے
- انسان خود سے مکالمہ کر کے معانی سمجھتا ہے
- تدبر سے اخلاقی اور روحانی بصیرت حاصل ہوتی ہے

یہی وجہ ہے کہ قرآن کا ہر لفظ اور ہر جملہ عقل اور دل دونوں کو متاثر کرتا ہے۔

.5 فضائل و اخلاقی صفات کی تربیت

قرآن میں بارہا انسان کو درج ذیل صفات اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے:

- صبر
- تقویٰ
- عدل و انصاف
- حسن اخلاق
- شکر و رضا

- شجاعت و حکمت

یہ سب صفات انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی کو متوازن کرتی ہیں، اور معاشرت میں ہمدردی، تعاون اور امن قائم رکھتی ہیں۔

6. عملی نتیجہ

1. قرآن صرف عبادات یا فقہی قوانین کی کتاب نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی تربیت کی مکمل رہنمائی ہے۔
2. ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن کے اخلاقی پیغام کو اپنے کردار، سوچ اور معاشرت میں نافذ کرے۔
3. تدبر اور غور کے بغیر اخلاقی اور روحانی فہم ممکن نہیں۔
4. روحانی تربیت اور اخلاقی کردار انسانی معاشرہ کو مضبوط، منظم اور متوازن بناتے ہیں۔
5. اہلِ عرب کے مطابق قرآن فہمی کا اصل معیار یہی ہے کہ انسان خود سے مکالمہ کرے، عقل استعمال کرے اور عملی اخلاق اختیار کرے۔

باب یازدہم: قرآن کی عملی زندگی میں نفاذ اور برصغیر کی روایتی غلط فہمیاں (Implementation of Qur’anic Guidance and Misconceptions in the Subcontinent)

اہلِ عرب کے مطابق قرآن فہمی کا اصل مقصد یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کیا جائے۔ برصغیر میں اکثر مسلمانوں نے قرآن کو محض کتابی یا فقہی اصولوں تک محدود کر دیا، جس کی وجہ سے عملی زندگی میں تضاد، اختلافات، اور فرقہ واریت پیدا ہوئی۔ اس باب میں قرآن کے عملی نفاذ کے اصول اور برصغیر کی روایتی غلط فہمیوں کا تجزیہ بیان کیا جاتا ہے۔

1. قرآن کی عملی زندگی میں اہمیت

قرآن صرف نظریاتی تعلیم یا عبادات تک محدود نہیں ہے۔ اہلِ عرب کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن:

- انسانی کردار کی تربیت کرتا ہے
- معاشرتی تعلقات میں عدل و انصاف قائم کرتا ہے
- فرد اور معاشرت کو متوازن بناتا ہے
- عقل و استدلال کو تحریک دیتا ہے
- اخلاقی اور روحانی اصولوں کی بنیاد فراہم کرتا ہے

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ آیات کو سمجھ کر اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرے، نہ کہ صرف حفظ یا زبانی قبولیت تک محدود رکھے۔

.2 برصغیر کی روایتی غلط فہمیاں

الف: تقلید اور اجتہاد کی کمی

اکثر لوگ علماء یا بزرگان کی سنت پر اندھا یقین رکھتے ہیں، اور قرآن کو خود سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

نتیجہ:

- محکم اور متشابہ آیات میں تمیز نہ ہونا
- عقائد میں تضاد
- فرقہ بندی اور تعصب

ب: متشابہ آیات کی غلط تعبیر

متشابہ آیات کو محکم اصول کے بغیر سمجھنا، تقدیر، الٰہی مرضی اور صفاتِ الٰہی کے غلط فہم کا سبب بنتا ہے۔

مثال:

"اللہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء"

اگر انسان کی کوشش کو نظر انداز کیا جائے تو تقدیر کو محض الٰہی اختیار سمجھنا غلطی ہے۔

ج: عقائد اور عبادات میں عقل کی ناپسندیدگی

برصغیر میں اکثر علماء نے ایمان اور استدلال کو الگ سمجھا، جبکہ قرآن میں ایمان عقل کے بغیر نامکمل ہے۔

.3 قرآن فہمی کے اہلِ زبان کے اصول

الف: محکم اور متشابہ کا امتیاز

ہر آیت کی نوعیت کو پہچاننا لازمی ہے:

- محکم آیات بنیادی اصول
- متشابہ آیات عقل وسیاق کے ساتھ سمجھیں

ب: عقل و استدلال

قرآن بارہا سوال اور غور و تدبر کی دعوت دیتا ہے:

- انسانی اعمال کے نتائج
- تاریخی و معاشرتی عبرت
- اخلاقی اور روحانی اصلاح

ج: عمل پر زور

قرآن کی تعلیمات محض پڑھنے یا سننے کے لیے نہیں، بلکہ عمل میں لانے کے لیے ہیں:

- اخلاقی کردار
- ذاتی اصلاح
- معاشرتی عدل و انصاف

• تعاون اور احسان

د: روحانی تربیت

قرآن انسان کی روحانی قوت، صبر، شکر، تقویٰ اور ایمان کی پختگی کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔

4. عملی زندگی میں نفاذ کے فوائد

1. فرد کا کردار پختہ اور متوازن ہوتا ہے۔
2. معاشرہ عدل، انصاف، تعاون اور ہمدردی پر قائم رہتا ہے۔
3. فرقہ واریت اور تعصب کم ہوتا ہے۔
4. انسان کے اعمال اور عقائد عقل، استدلال اور تدبر سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔
5. روحانی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ زندگی میں سکون، استقامت اور مقصدیت پیدا ہوتی ہے۔

5. خلاصہ اور کتابی اصول

1. قرآن کی تعلیمات عقل و تدبر کے ساتھ سمجھیں۔
2. محکم اور متشابہ آیات میں تمیز لازمی ہے۔
3. متشابہ آیات کا فہم محکم آیات اور سیاق کے بغیر غلط ہوتا ہے۔
4. روحانی، اخلاقی اور عملی تربیت ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔
5. فرقہ واریت، تقلید اور محض روایت پر عمل قرآن فہمی کے خلاف ہے۔

6. قرآن کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کریں، تاکہ فرد اور معاشرہ دونوں متوازن اور صحیح رہیں۔

باب دوازدہم: قرآن فہمی کا عملی طریقہ — ایک مکمل منہج

اہلِ عرب کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن فہمی محض نظریاتی مطالعہ، حفظ یا روایت پر انحصار سے حاصل نہیں ہوتی۔ قرآن کی تعلیمات کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کے لیے ایک مکمل عملی منہج اپنانا ضروری ہے۔ یہ باب اس منہج کی تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ ہر فرد نہ صرف قرآن کے مفاہیم سمجھے بلکہ انہیں عملی زندگی میں بروئے کار لائے۔

1. قرآن کے ساتھ خود سے مکالمہ (Self-Dialogue with the Qur'an)

اہم اصول یہ ہے کہ قرآن صرف پڑھنے یا سننے کی کتاب نہیں بلکہ ہر فرد کے لیے رہنما اور مکالمہ کا ذریعہ ہے۔

- ہر آیت پر غور و تدبر کریں، سوالات پیدا کریں اور دل و عقل دونوں سے جواب تلاش کریں۔
- قرآن کے ساتھ مکالمہ انسان کو صرف مطالعہ کرنے والا نہیں بلکہ فہمی اور عملی مسلمان بناتا ہے۔
- مثال: اگر آیت کہتی ہے، "ألا بذكر الله تطمئن القلوب"، تو قاری صرف لفظی معنی نہ سمجھے بلکہ غور کرے کہ کس طرح ذکر اور یادِ الٰہی دل کو سکون فراہم کرتا ہے، اور یہ عمل روزمرہ زندگی میں کیسے نافذ ہوتا ہے۔

2. محکم اور متشابہ آیات کی درست تمیز

قرآن کی ہر آیت اپنی نوعیت میں یا محکم ہے یا متشابہ۔ اس تمیز کے بغیر صحیح فہم ممکن نہیں:

- محکم آیات :واضح، قطعی اور لغوی معنی میں مستقل ہیں۔ یہ استدلال اور احکام کی بنیاد ہیں۔
- متشابہ آیات :رموز، علامات، یا استعارات پر مشتمل ہیں۔ ان کا درست فہم محکم آیات اور سیاق وسباق کے بغیر ناممکن ہے۔
- ہر متشابہ آیت کو محکم اصول کے ساتھ جوڑ کر سمجھنا ضروری ہے، تاکہ عقائد میں تضاد اور فرقہ بندی سے بچا جاسکے۔
- مثال: آیت "اللہ یضل من یشاء ویھدی من یشاء" کو محکم اصول "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے تاکہ انسان کی کوشش اور اللہ کی ہدایت کا توازن واضح ہو۔

3. عقل و استدلال کا استعمال

قرآن بارہا انسانوں کو غور وفکر، دلیل اور استدلال کرنے کی دعوت دیتا ہے:

- انسانی اعمال اور نتائج کا مشاہدہ کریں۔
- اخلاقی، معاشرتی اور تاریخی عبرت پر غور کریں۔
- زندگی کے تجربات سے استدلال کریں۔

یہ مرحلہ قاری کو فہمی مسلمان بناتا ہے، جو صرف عقیدہ کے حامل نہیں بلکہ عمل، تدبر اور فکر کے حامل بھی ہیں۔

4. ذاتی اور اجتماعی نفاذ

قرآن فہمی کا مقصد نظریہ تک محدود نہیں بلکہ عملی زندگی میں نفاذ ہے:

- ذاتی سطح: اخلاق، روحانی تربیت، تزکیہ نفس، صبر، شکر، تقویٰ
- اجتماعی سطح: عدل، انصاف، تعاون، احسان، معاشرتی ذمہ داریاں

اہلِ عرب کے مطابق ذاتی اور اجتماعی نفاذ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں: ذاتی اصلاح کے بغیر معاشرت میں عدل قائم نہیں ہوتا اور معاشرتی ذمہ داری کے بغیر ذاتی اخلاق اور تربیت مکمل نہیں ہوتی۔

.5 روزمرہ زندگی میں قرآن کی رہنمائی

- ہر فیصلے اور عمل میں قرآن کی تعلیمات کو بنیاد بنائیں۔
- اختلافات اور مشکلات کو عقل و استدلال کے ذریعے حل کریں۔
- اخلاق، تعاون اور عدل کے اصولوں کو روزمرہ زندگی میں نافذ کریں۔
- قرآن کے ساتھ مکالمہ جاری رکھیں تاکہ ہر آیت عملی بصیرت فراہم کرے۔

.6 غلطیوں سے بچاؤ

- تقلید اور روایات کو محض دلیل نہ بنائیں۔
- متشابہ آیات سے عقائد قائم کرنے سے گریز کریں۔
- محکم اصول اور عقل کے بغیر عمل کرنے سے پرہیز کریں۔
- فرقہ واریت، تعصب اور اجتہاد کے بغیر عمل کرنا قرآن فہمی کے خلاف ہے۔

.7 عملی منہج کا خلاصہ

1. مکالمہ : قرآن کے ساتھ خود سے گفتگو اور غور و فکر کریں۔
2. محکم و متشابہ : ہر آیت کی نوعیت پہچانیں اور درست فہم حاصل کریں۔
3. عقل و استدلال : ہر معاملے میں دلیل اور غور استعمال کریں۔
4. ذاتی اور اجتماعی نفاذ : زندگی کے ہر پہلو میں قرآن کی تعلیمات نافذ کریں۔
5. عملی تربیت : اخلاق، روحانیت، عدل و انصاف کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔
6. احتیاط : فرقہ واریت، تقلید، اور محض روایت پر عمل کرنے سے گریز کریں۔

خلاصہ اصول: قرآن فہمی کے اہلِ زبان کے مطابق

1. عقل اور تدبر بنیادی ہیں : قرآن انسان کی عقل کو روشنی دینے، استدلال کی قوت بڑھانے اور غور و فکر کی تربیت کے لیے نازل ہوا ہے۔ ایمان اور عقل علیحدہ نہیں بلکہ مکمل ہیں۔
2. استدلال کی تین سطحیں : لغوی و نحوی، منطقی، اور تجزیاتی استدلال کے بغیر قرآن کا حقیقی فہم ممکن نہیں۔
3. محکم اور متشابہ کی تمیز ضروری ہے:
   - محکم آیات واضح اور قطعی ہیں، استدلال اور احکام کی بنیاد ہیں۔
   - متشابہ آیات رموز اور علامات پر مشتمل ہیں اور سیاق و سباق کے بغیر سمجھنا ممنوع ہے۔

○ متشابہ آیات کو ہمیشہ محکم اصول کے ساتھ سمجھا جائے۔

4. انسانی اختیار اور کوشش اہم ہیں: اللہ کی ہدایت اور گمراہی انسان کی اعمال، کوشش اور فطرتی استعداد سے مربوط ہیں۔

5. ذاتی اصلاح اور تزکیہ نفس: ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے دل، اعمال اور اخلاق کی جانچ کرے، نفس کی تزکیہ ایمان کا لازمی حصہ ہے۔

6. اخلاق اور معاشرت: عدل، انصاف، حسن سلوک، تعاون، احسان اور معاشرتی ذمہ داریوں کی پابندی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

7. روحانی تربیت: صبر، شکر، تقویٰ، حکمت اور روحانی استقامت قرآن کے اہم اصول ہیں جو انسان کو پختہ کردار اور متوازن زندگی عطا کرتے ہیں۔

8. عمل پر زور: قرآن صرف نظریاتی تعلیم یا عبادات کی کتاب نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کے لیے رہنمائی کرتا ہے۔

9. فرقہ واریت اور تقلید سے بچاؤ: متشابہ آیات کو محکم اصول کے بغیر سمجھنا، اور بغیر استدلال محض روایت پر عمل کرنا قرآن فہمی کے خلاف ہے۔

10. قرآنی اصولوں کی جامعیت: عقل، استدلال، محکم و متشابہ، ذاتی اور اجتماعی ذمہ داری، اخلاق اور روحانیت سب قرآن فہمی کے لازمی اجزاء ہیں، جو فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

خاتمہ: نتیجہ، مستقبل کے امکانات اور عملی اپیل

اس کتاب کے ابواب میں بیان کیے گئے اصول اور منہج کا مقصد قرآن فہمی کو محض کتابی مطالعہ یا حفظ تک محدود نہ رکھنا بلکہ اس کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اگر یہ اصول اور عملی منہج عام ہو جائیں تو فرد کی ذاتی زندگی، اس کے علمی اور فکری دائرے، اور اجتماعی معاشرتی رویوں میں نمایاں بہتری آسکتی ہے۔ فرد اپنی عقل اور استدلال کو فعال کر کے قرآن کے ساتھ خود سے مکالمہ کرے گا، اپنے اخلاق و کردار کو بہتر بنائے گا، اور روحانی پختگی حاصل کرے گا۔ اس کا علم محض معلومات تک محدود نہیں رہے گا بلکہ عملی فہم میں تبدیل ہو جائے گا۔ معاشرت میں عدل، انصاف، احسان، تعاون، اور ہمدردی کو فروغ ملے گا اور فرقہ واریت اور تعصب کے اثرات کمزور ہوں گے۔ علمی حلقے اور تعلیمی ادارے اس منہج کے ذریعے نہ صرف طلبہ کو فکری تربیت دے سکیں گے بلکہ ان میں خود اعتمادی، تجزیاتی فہم اور غور و تدبر کی صلاحیت بھی پروان چڑھے گی۔

عملی اپیل یہ ہے کہ تعلیمی ادارے، مدارس، علمی و تحقیقی حلقے، اور قرآنی ادارے اس منہج کو اپنے تدریسی نصاب میں شامل کریں تاکہ ہر طالب علم قرآن کو صرف ایک پڑھنے کی کتاب کے طور پر نہ بلکہ فہمی اور عملی رہنما کے طور پر سیکھے۔ عام لوگ بھی اس منہج کو اپنائیں، قرآن کے ساتھ مکالمہ کریں، عقل اور استدلال کو زندگی کے ہر فیصلے میں شامل کریں، اور فرقہ واریت اور تعصب سے خود کو دور رکھیں۔ یہ عمل فرد کو نہ صرف اپنے نفس میں بہتری کا موقع دے گا بلکہ پورے معاشرے میں بصیرت، انصاف اور امن کو فروغ دے گا۔

اختتامی کلمات میں ہم اپنے استاد آیت اللہ سید حُسین مرتضی نقوی صدرالافاضل کی مثال پیش کر سکتے ہیں، جنہوں نے قرآن کی تعلیمات کو عقل، تدبر اور عملی زندگی کے تناظر میں پیش کیا۔ ان کے تجربات اور رہنمائی سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن فہمی صرف علمی مشق نہیں بلکہ دل اور عمل کی تربیت ہے۔ ہم قاری کو دعائیں اور نصائح بھی شیئر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقل کو روشنی دے، دل کو بصیرت عطا کرے، اور ان کے اعمال میں قرآن کے اصول نافذ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ کتاب اس امید کے ساتھ ختم کی جاتی ہے کہ ہر فرد قرآن کو نہ صرف سمجھے بلکہ اپنے عمل میں نافذ کرے، معاشرت میں عدل و انصاف کو فروغ دے، اور دنیا و آخرت میں بہتر زندگی کے لیے قرآن کو حقیقی رہنما سمجھے۔